نمبر (۱۳)

اولٰئک علیہم صلوٰت من ربہم و رحمۃ

طبع جدید

العسکری

۱۳۴۰ھ

یعنے

سوانح عمری جناب امام حسن عسکری علیہ السلام

مؤلفہ و مرتبہ

خان بہادر مولوی سیّد اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

مؤلف

سیرۃ المصطفویہ۔ السیدہ۔ سراج المبین۔ سر و چمن۔ ذبح عظیم۔ صحیفۃ العابدین
آثار الباقریہ۔ آثار جعفریہ۔ علوم کاظمیہ۔ تحفۂ رضویہ۔ تحفۃ المتقین۔ سیرۃ النقی۔ العسکری

دُرِ مقصود

سنہ ۱۹۲۲ء

در مطبع مقبول پریس دہلی طبع شد

ان ہادیان برحق کی پاک و پاکیزہ زندگی کے مفصل حالات و سوانح ہمارے قول و عمل بلکہ زندگانی کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ ان کی مقدس سیرت کے مفصل حالات سے اسلامی دنیا آج تک خالی پڑی تھی۔ الحمد للہ کہ یہ شرف سعادت سب سے پہلے مقبول پریس کو حاصل ہوا۔ جس نے چودہ کے چودہ معصوموں کی سوانح کا مقدس سلسلہ شائع کر دیا۔ یہ متبرک سلسلہ جسے خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ گیا نے ضلع آرہ نے سالہا سال عمر عزیز صرف کر کے بڑی جانکاہی اور عرق ریزی سے ایسے عمدہ اور شائستہ طرز سے ترتیب دیا ہے کہ مسلمان تو مسلمان اقوام غیر کے صاحبان علم و بصیرت نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا یہاں تک کہ ملک کے بعض سربرآوردہ اور لائق زباندانوں نے اس سلسلہ کی بعض کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں

ترجمہ کرنیکی خواہش

ظاہر کی اور مصنف موصوف سے اجازت چاہی۔ زبان و طرز بیان اتنا سلیس کہ طالبین و بینش اور نے لکھے کے ہر مذہب و ملت والے کے سامنے ان سوانح عمریوں کو پیش کر دیجیے، سوائے خوبیوں کے اعتراف کے اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی۔ پس کوئی اسلامی گھر تو کجا ذکر اس مقدس ذخیرہ سے خالی نہ رہنا چاہیے۔ ساتھ ہی حامیان ملت اور باہمت احباب کا فرض ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کو ہر مذہب و ملت کے علم دوست افراد تک پہنچانے میں سعی بلیغ سے کام لیں تاکہ اسلام جیسے پاک و مقدس مذہب کی حقانیت ہر مذہب پر بہت بہتر واضح اور آشکار ہو جائے اور اس طرح تبلیغ و اشاعت دین کا اہم فرض بھی خوبی کے ساتھ ادا ہوتا رہے

اس متبرک سلسلہ کا مہیا کرنا

ہمارا فرض تھا، اب توسیع و اشاعت آپ کا فرض ہے جسے پورا کر کے داخل حسنات ہونا چاہیے۔

مقبول پریس — نیازمند
گنبد نالہ - دہلی — سید امین الدولہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ اجمعین ط

توفیقات ربانی و تائیدات یزدانی کے ذریعے سے میرے موجودہ سلسلۂ تالیفات سیرت اہل بیت علیہم السلام کا گیارھواں نمبر بھی مرتب ہوگیا۔ اور مؤلف کو اب اس کے عرض کرنے کا حق ہوگیا کہ اس کے اپنے سلسلۂ تالیف کے متعلق صرف ایک نمبر لکھنے کو اور باقی رہ گیا۔ اور وہ بھی خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ کے محض فضل و کرم سے چند مہینے سے زیر تالیف رہ کر نصف کے قریب مرتب ہوچکا ہے ع شکر نعمتہائے تو چنداں کہ نعمتہائے تو ست۔ اُسی کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ اپنے اس ناچیز اور قلیل الاستعداد بندے کو اس خدمت گرانبار سے بہت جلد سبکدوش فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بمحمد و آلہ الاجمعین ط

میری موجودہ کتاب میں جس میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی مبارک سیرت کے متعلق آپ کے روز ولادت باسعادت سے لے کر وفات حسرت آیات کے دن تک کے تمام و کمال حالات اُسی تفصیل اور توضیح کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔ جو آغاز تالیف سے میری تالیف و ترتیب کا قرار واقعی معیار ثابت ہوچکے ہیں۔ مقدس ممدوح کے مبارک حالات کے ساتھ آپ کے ہمعصر سلاطین عباسیہ کے جو خلفائے اسلامیہ کے فخر اضافی سے مشہور ہونے کے لئے مرے جاتے تھے حالات و عادات اور رفتار و کردار بھی دکھائے گئے ہیں۔ اور ان کے عہد سلطنت میں مخالفت اہل بیت علیہم السلام کے متعلق جو واقعات پیش آئے۔ وہ ایک ایک کرکے مندرج کردیئے گئے۔ اور بتلا دیا گیا ہے کہ مسئلہ مساوات کے غلط قیاس اور بیجا وہم کے اصول پر جو مخالفانہ تعمیریں خلفائے عباسیہ کی طرف سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی ایذا رسانی و تکلیف دہی۔ ذلت و حقارت

کے لئے عمل میں لائی گئیں وہ بالکل اور تمام تر بیکار اور غیر مفید ثابت ہوتی گئیں اور بخلاف اُن کی امیدوں کے خدائے قادر و توانا کے نظام مشیت نے اُن کی تمام کوششوں میں اُن کو پوری شکست پہنچا کر اُن کو ذلیل اور خفیف بنایا۔ اور اُن کے مقابلہ میں آپ کے فضل مراتب کو عظمت و جلال کے عرش الکمال تک پہنچایا۔

ان حالات و واقعات کے علاوہ رقم خمس کی پوری تاریخ تحریر کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے حقوق مخصوصہ کی ممانعت کی تدبیروں میں جتنا جتنا لوگوں نے آپ کو ستایا تکلیف دی۔ اور آزار پہنچایا وہ ایسے شدید اور سخت تھے جن کے تحمل اور استقامت کی قوت عام طور سے دوسرے بنی نوع انسان میں سوائے ان نفوس قدسیہ کے نہیں پائی جاتی۔

بہرحال۔ انہی مضامین کو لئے ہوئے ہماری ناچیز کتاب بالغ نظران زمانہ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ اور امید ہے کہ وہ اس کے مفید اور نافع قوم و ملت ہونے اور نہ ہونے کا آپ تصفیہ فرمالیں گے۔

کوآتھ ضلع آرہ
۲۰ ربیع الاول روز چہارشنبہ ۱۳۲۹ ہجری

المؤلف
سید اولاد حیدر فوق
بلگرامی
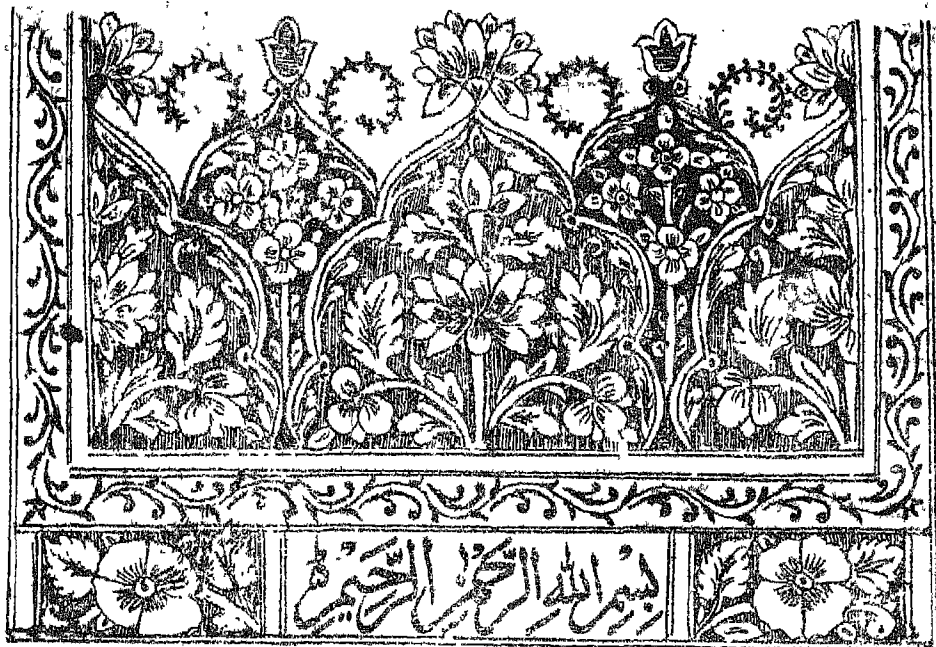
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ

اسم مبارک آپ کا حسن (علیہ السلام) کنیت ابو محمدؑ اور مشہور ترین القاب آپ کا ذکی اور عسکری ہے۔ ولادت باسعادت آپ کی آٹھویں ربیع الاول ۲۳۲ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ آپکی مادر گرامی کا اسم مبارک سوسن ہے۔ یہ خاتون معظمہ اپنے زمانے کی بہت بڑی عفیفہ۔ کریمہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی عبادتگزاری میں مشہور و معروف تھیں۔ ولادت باسعادت آپ کی مدینہ منورہ میں واقع ہوئی

بچپن سے لیکر سن رشد تک کے حالات

آپ کا سن کل پانچ چھ برس کا ہوا تھا کہ آپ اپنے والد بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السلام کے ہمراہ شہر سامرہ میں تشریف لائے۔ اور پھر بقیہ عمر تک یہیں قیام فرما رہے۔ نقش نگین آپ کا بنا بر روایت صباغ مالکی صاحب کتاب فصول المہمہ سُبْحَانَ مَنْ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بروایت نفعی اَنَا لِلّٰہِ شَھِیْدٌ تھا۔

بہرحال۔ آپ کے احوال خیر و برکت اشتمال کو بھی آپ کے والد بزرگوار حضرت امام علی نقی عؑ کے حالات کا بعینہ نمونہ سمجھنا چاہئے۔ جس طرح کہ جناب امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں اپنے شعور کے آغاز زمانہ سے لیکر اپنی خاص امامت کے شروع ایام تک کسب علوم کیا۔ اسی طرح جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے بھی اپنی طفولیت کے وقت سے لیکر آغاز امامت تک اپنے پدر عالیمقدار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں اپنی تحصیل ظاہری اور باطنی کو تکمیل تک پہنچایا۔

عام طور سے تمام ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے ثابت ہوچکا ہے کہ امام لاحق امام سابق کا مطیع و منقاد بنکر تاوقتیکہ وہ خود بھی قید زندگی سے نجات پا کر درجۂ امامت پر فائز نہ ہولے اس

کی خدمت سے اپنی تحصیل کی تکمیل کیا کرتا ہے۔ اور ان ایام میں سوائے اُن امور کے کوئی دوسرا امر اُس سے متعلق نہیں ہوتا۔ اور نہ اُس کو کسی دوسرے امر کے لئے خاص طور پر کوئی تکلیف دی جاتی ہے اس لئے ہم نے جہاں تک ان حضرات مقدسہ سے متعلق ان ایام میں ان کے ذاتی حالات کا تفحص کیا ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ سوائے ان مشاغل کے جو اوپر لکھے گئے کوئی دوسرے مشاغل ان حضرات کو نہیں رہتے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب درس و تدریس اور تعلیم و تلقین کے سوا کوئی دوسرا امر آپ حضرات سے متعلق نہ ہو اور اس تعلیم وغیرہ کے طریقے بھی زیادہ تر وہبی ہوں۔ نہ کسبی۔ تو پھر ظاہری طور پر ان ایام کے متعلق آپ حضرات کے حالات معلوم ہوں تو کیونکہ اس لئے ہم کو فریقین کی کتابوں میں سوائے ایک واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ ایسا نہیں ملا جس کو ہم خصوصیت کے ساتھ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں درج کرتے یہ واقعہ بھی ہم کو کسی شیعہ کی کتاب میں نہیں ملا۔ بلکہ ہم اس کو شروع سے لے کر آخر تک اہل سنت کے معتبر ماخذوں سے لیکر ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

جناب امام حسن عسکری ع۴ اور بہلول دانا

قبل اس کے کہ ہم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور بہلول دانا کے واقعہ کو بیان کریں پہلے ہم اپنے ناظرین کے اس تعجب و حیرت کو رفع کرنا چاہتے ہیں جو اس وقت بہلول دانا کے موجود رہنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

ہمارے ناظرین کو یاد رکھنا چاہئے کہ بہلول دانا کو عقل و کمال کی نعمتوں کے ساتھ طول عمری کی دولت بھی مبدء فیض کی طرف سے خاص طور پر ودیعت فرمائی گئی تھی۔ چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے سے لیکر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے وقت تک زندہ تھے بلکہ یوں سمجھو کہ منصور کے ایام سے لیکر متوکل کے عہد تک بقید حیات تھے۔ اس خوش نصیب نے چھ اماموں کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اور اسی طرح سلسلۂ عباسیہ میں سات خلفا کی مختلف سلطنتوں کا زمانہ دیکھا۔ بہلول دانا علیہ الرحمۃ معمرین اسلامی میں خاص طور پر طول عمری کے اوصاف کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔

اب یہ امر باقی رہا کہ وہ اس وقت دارالخلافۃ سامرہ میں کس ضرورت سے قیام فرما تھے۔ وہ یہ ہے جیسا کہ ملا مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون میں تحریر فرماتے ہیں۔

جب کربلائے معلےٰ کی بربادی کی کیفیت زید مجنون علیہ الرحمہ کو معلوم ہوئی تو وہ بہت غمگین و محزون ہوئے۔ اور اپنے وطن شہر مصر سے با دیدہ گریاں و دل بریاں بقصد زیارت جناب امام حسین علیہ السلام چل کھڑے ہوئے۔ جب کوفہ میں پہنچے تو بہلول دانا سے ملاقات ہوئی۔ زید نے پہلے ہی سلام میں سبقت کی۔ بہلول دانا نے پوچھا کہ تم نے مجھے کیونکر پہچان لیا۔ زید رض نے کہا سبحان اللہ۔ آپ جانتے ہیں کہ ارواح کو آپس میں ربط و محبت ہے۔ جو لوگ عالم ارواح میں باہم یک دوستی کر چکے ہیں وہ اس عالم میں ایک دوسرے کو بغیر کسی ظاہری معرفت کے پہچان لیتے ہیں۔ بہلول دانا نے خوش ہو کر جواب دیا کہ تم سچ فرماتے ہو۔ اب یہ بتلاؤ کہ تم نے کس ضرورت سے ترک وطن اور غربت کی تکلیف اختیار فرمائی ہے۔ زید مجنون رح نے اصلی کیفیت بیان کی تو بہلول رح نے کہا کہ میں بھی تو اسی فکر و کوفت میں مبتلا ہوں۔ آؤ ہم تم

آپس میں ملکر اس امر میں کوشش کریں۔ اور پہلے باتفاق خود ہا زیارت کربلائے معلےٰ سے مشرف ہوں الغرض یہ دونوں صاحب روانہ ہوئے۔ جب اس مقام متبرک پر پہنچے تو دیکھا کہ قدرت خدا سے وہاں چاروں طرف پانی بھرا ہوا ہے مگر حائر مقدس کے اندر ایک قطرہ نہیں جاتا۔ جب انھوں نے یہ حالت مشاہدہ فرمائی تو اُن کا یقین اور زیادہ ہوا۔

یہ لوگ زیارت سے مشرف ہو کر سامرے میں متوکل سے خاص طور پر سفارش کرنے کے لئے پہنچے۔ مگر ان لوگوں نے وہاں پہنچتے ہی سُنا کہ متوکل نے آج ایک مرد مومن کو زیارت کے جرم میں اور نیز اس قصور میں کہ اُس نے وہاں کے مشاہدات عجیبہ اُس کے مُنہ پر بیان کئے قتل کر ڈالا۔ ان لوگوں نے یہ سُنتے ہی اُس کی قبر کا مقام معلوم کیا۔ اور تین شبانہ روز تک اس شہید کی قبر پر بیٹھے بیٹھے قرآن شریف کی تلاوت فرمانے لگے۔

یہ حضرات ابھی اُس اپنے برادر ایمانی کی خدمات انجام دے رہے تھے کہ ایک طرف سے سخت نوحہ وزاری کی جانگداز آوازیں متواتر آنے لگیں۔ اور بہ کثرت مرد و عورت دیکھے جو بال بکھرائے۔ گریبان پھاک کئے۔ چہروں پر سیاہی ملے۔ ایک جنازہ کاندھوں پر لئے۔ علم سیاہ سینکڑوں بلند کئے چلے آرہے ہیں۔

زیاد مجنون علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں یہ سامان غم اور اسباب ماتم دیکھکر سمجھا کہ شاید متوکل مر گیا۔ ایک شخص سے میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ متوکل کی ایک کنیز۔ ریحانہ نامی آج مر گئی ہے جسے وہ نہایت عزیز رکھتا تھا۔ میں یہ سُنکر خموش ہو رہا۔ پھر اُس کنیز کے مُردے کو بڑے اہتمام سے مدفون کیا۔ اس کی تازہ قبر پر انواع واقسام کی عطریات اور خوشبویات جلائے۔ اور ایک عظیم الشان مقبرے کی بنیاد ڈالی۔ اور نہایت سرعت سے عمارت کا کام جاری ہو گیا۔

زیاد مجنون علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ یہ عالم دیکھکر میرا اور میرے رفیق بہلول دانا۔ دونوں کے دل کا عجیب عالم ہوا۔ اور ہم دونوں اپنے اپنے دل میں سوچنے لگے کہ اب اس سے بڑھ کر زمانہ ناہنجار کی اور کیا گردش اور نیرنگ ہونگے کہ ریحانہ کے لئے تو مقبرۂ عظیم الشان کی عمارت جدید بنائی جاتی ہے۔ اور جگر گوشہ حضرت رسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام کی قبر پر ہل چلائے جاتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

زیادؒ کا بیان ہے کہ مجھ سے تو ضبط نہ ہو سکا۔ میں نے اس حال میں بہت سے اشعار منظوم کئے اور نہایت جری اور قوی ہو کر اپنے قصیدے کو خاص متوکل کے ملازم کی معرفت اُس کے پاس بھیجدیا۔ وہ ان اشعار کو دیکھکر سخت برہم ہوا اور مجھ کو اور بہلول کو بُلا کر قید کر دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد قید سے نکال کر ہم سے ہمارے احوال پوچھے ہم لوگوں نے اُسے امتناع زیارت کے احکام اُٹھا دینے کے متعلق انواع واقسام کی موعظت کی۔ مگر وہ دیر تک اپنے مظالم پر اصرار کرتا رہا۔ آخر کار اُس نے ہم لوگوں کو رہا کر دیا۔

ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ بہلول دانا علیہ الرحمۃ اس ضرورت خاص سے ان دنوں سامرہ میں تشریف فرما تھے۔ اور رات دن اس فکر میں تھے کہ منت ہو۔ سماجت ہو۔ اور جس طریقے اور جس سبیل سے ممکن ہو۔ متوکل کے یہ ظالمانہ احکام اُٹھوا دئے جائیں۔ اسی ضرورت سے بہلول دانا علیہ الرحمۃ سامرے میں مقیم تھے۔ اور انہی دنوں میں ان سے اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام

سے یہ واقعہ پیش آیا جس کو ہم ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ کی اصلی عبارت کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ وھو ھذا

وقع لبهلول معه انه راٰه وهو صبي يبكي والصبيان يلعبون فظن انه يتحسر على ما في ايديهم فقال اشتري ما تلعب فقال يا قليل العقل ما للعب خلقنا فقال له فلماذا خلقنا قال للعلم والعبادة فقال له من اين ذلك قال من قول الله تعالىٰ افحسبتم انما خلقناكم عبثا وانكم الينا لا ترجعون ثم ساله ان يعظه فوعظه بابيات ثم خر الحسن عليه السلام مغشيا عليه فلما افاق قال له ما نزل وانت صغير لا ذنب لك فقال اليك عني يا بهلول اني رايت والدتي توقد النار بالحطب الكبار ولا تتقد الا بالصغار واني اخشى ان اكون من صغار حطب جهنم۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام ابھی لڑکے تھے کہ آپ کو بہلول دانا نے دیکھا کہ لڑکے کھیل رہے ہیں اور آپ اپنی جگہ پر کھڑے رو رہے ہیں۔ بہلول نے کہا میاں صاحبزادے میرا خیال ہے کہ شاید آپ اُس چیز کے لئے رو رہے ہیں جس سے یہ لڑکے کھیل رہے ہیں۔ میں ایسی ہی چیز آپ کو بھی مول لے دوں۔ آپ نے فرمایا اے کم عقل ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے۔ بہلول نے پوچھا پھر ہم کس چیز کے لئے پیدا ہوئے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا علم اور عبادت کے لئے۔ بہلول نے کہا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے پائی۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید سے جیسا کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ ارشاد فرماتا ہے افحسبتم الخ آیا تم جانتے ہو کہ تم بیکار پیدا کئے گئے ہو۔ اور تم ہماری طرف کیا رجوع کرنے والے نہیں ہو؟ پھر بہلول نے آپ سے کچھ موعظت چاہی۔ آپ نے اُن کی موعظت میں کچھ اشعار ارشاد فرمائے۔ اُس کے بعد آپ کو غش آگیا۔ اور آپ بہلول دانا پر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو بہلول نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ تو ابھی بچے ہیں۔ آپ نے تو کوئی اب تک خطا نہیں کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے بہلول تم میرے پاس سے اس وقت ہٹ جاؤ۔ میں نے اپنی والدہ معظمہ کو آگ جلاتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ خاصکر موٹی موٹی اور بڑی بڑی لکڑیوں کو آگ نے اُس وقت تک نہیں پکڑا جب تک کہ چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو جلا کر خاک سیاہ نہ کر لیا اس وجہ سے مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں میں بھی جہنم کی وہی چھوٹی لکڑی نہ بن جاؤں۔

جن لوگوں نے انبیاء مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اخبار و آثار کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت یحیےٰ علےٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام نے بھی اپنے ساتھ کے کھیلنے والے بچوں کو ایسا ہی جواب دیا تھا جیسا کہ اس وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے دیا۔ اگر زیادہ غور سے کام لیا جاوے تو ثابت ہو جائیگا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے جواب کی شان اور وقعت جناب یحیےٰ علےٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام کے جواب کی موجودہ حیثیت سے ضرور بڑھی ہوئی ہے۔ کیونکہ جناب یحیےٰ کے مخاطب اس وقت اُن کے ساتھ کے کھیلنے والے وہی بچے تھے جو رات دن آپ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اور اس وقت بھی آپ کو کھیلنے ہی کے لئے بلاتے تھے مگر بخلاف ان کے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

کا مخاطب بہلول دانا کے ایسا دانشمند اور فرزانہ روزگار تھا جس کی جامعیت اور استعداد کا سارے زمانے کو اعتراف تھا۔ اور جسکو اپنی طول عمری کے خاص سبب سے کچھ اوپر ڈیڑھ سو برس کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور پھر ایسا کامل کہ ہارون رشید کے ایسے جابر بادشاہ نے اُس سے اپنی وزارت قبول کرنے کی خواستدعا کی اور اُس نے اپنے کمال استغنا اور قناعت کی وجہ سے ان دنیاوی تعلقات کی طرف کوئی اعتنا نہیں فرمائی۔ اور آخرکار ہارون رشید کو اپنی استدعا واپس لینی ہوئی۔ ایسے کامل شخص کے جواب کو اس جامعیت اور متانت کی عظمت بھری شان سے دینا۔ کبھی کسی معمولی بچے کا کام نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ خاص انہی خاصان خدا کی شان ہو سکتی ہے جن کی تکمیل تحصیل اور جامعیت کے تمام طریقے وہبی ہوتے ہیں۔ اور اُس کے لئے مبدء فیض سے کسی عمر یا وقت کا کوئی خاص تعین نہیں ہوتا۔ وہ باعتبار فضل وکمال کے سن وسال کے محتاج نہیں ہوتے۔ اُن کے بچے بھی ایسے ہی دانا ہوتے ہیں جیسے اُن کے جوان اور بوڑھے۔

یہی ایک واقعہ اور یہی ایک جواب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے منصوب من اللہ ہونے کے ثبوت میں پورے طور سے کافی ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ سے آپ کے اس خلوص بھرے خوف الٰہی کی پوری کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ جو آپ کے پاک اور مقدس سلسلے کے لئے حضرت واہب العطایا کی طرف سے خاص طور پر ودیعت فرمایا گیا تھا۔ ایسا خشوع اور رجوع الی اللہ تعالیٰ منسوبًا ایسی کم سنی اور قلیل العمری کے زمانے میں دنیا کے عام بچوں میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ اور اسکی صاف اور روشن وجہ یہی ہے کہ وہ مخصوصان الٰہی کے خاص دائرہ میں داخل نہیں۔

حضرت امام حسن عسکری عم کی امامت

آپ کی کم سنی کے حالات اوپر لکھکر اب ہم آپ کی امامت کے واقعات سے اپنے سلسلۂ بیان کو آغاز کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی امامت کا زمانہ معتز باللہ کے ایام سلطنت سے شروع ہوتا ہے۔ ہم ابھی ابھی حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی کتاب میں معتز باللہ کے حالات خلافت لکھ آئے ہیں۔ اُس کے عہد سلطنت میں اُس نے بوقا اور وصیف غلامان رومی کو محمد ابن عبداللہ رومی کی صلاح سے سامرہ بلا کر عہدہا جلیلہ پر ممتاز فرمایا تھا۔ مگر چونکہ فیما بین صفائی قلوب نہیں تھی اس لئے خلیفہ کی یہ دلجوئی اور اشک شوئی ان لوگوں کی آنکھوں میں کوئی وقعت پیدا نہ کر سکی۔ بلکہ بخلاف اس کے اُن لوگوں نے اکثر امور میں خلیفہ وقت سے انحراف واختلاف اختیار کیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

چونکہ فی الحال سلطنت کے تمام امور میں یہی پیش پیش تھے۔ اس لئے دربار خلافت میں اُنکے آگے کسی وزیر یا امیر کی کچھ نہ چلتی تھی۔ اسی زمانہ میں اہل مرغاب کا واقعہ پیش ہوا۔ یہ قوم بھی نہایت سرکش۔ مطلق العنان اور آزاد پسند تھی۔ اور ہمیشہ خلافت سے اپنے آپ کو مطلق العنان بنانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ خلافت کی موجودہ بدنظمیوں کو دیکھکر ان لوگوں نے اپنی آزادی کے ہاتھ پاؤں پہلے سے بھی زیادہ پھیلائے۔ بوقا اور وصیف اور ان کے ساتھ اُن کا ایک اور مشیر اور رفیق سیما نامی ترک جس کو معتز ہی کے خاص زمانے میں عروج حاصل ہوا تھا۔ ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ وصیف نے مقابلہ اور مقاتلہ کے خیال کو ترک

کرکے ان کے ساتھ صلح کرنے کو مصلحت سمجھا۔ اس لئے وہ وہیں رہ گیا۔ مگر بوقا اور سیما وہاں سے دار الخلافت کو اپنی ہمراہی جماعت کے ساتھ واپس آئے۔ اہل مرغاب بھی آخر کار ترک تھے۔ اور ترکی چالوں سے خوب واقف۔ وہ بوقا کے واپس جانے سے اس وقت یہ سمجھے کہ یہ لوگ شاہی فوج تازہ لینے گئے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں نے بوقا اور سیما کی راہ روک کر پوری مزاحمت کی۔ جس میں وہ خود کسی قدر زخمی بھی ہوا۔ وصیف کا ایک رفیق ان دونوں کو اپنے گھر لے گیا۔ تب جا کر ان دونوں کی جان بچی چونکہ اس واقعہ کی خبر دیہہ میں وصیف کو پہنچی۔ جب تک وہ موقع پر پہنچے یہ لوگ اس کی قیامگاہ کو گھیر کر اندر گھس پڑے۔ پہلے اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے بعد ازاں تلوار سے اس کا سر قلم کر ڈالا۔ بعد اس کے مال ومتاع کی بربادی اور غارتگری کا قصد کیا۔ مگر صالح ابن وصیف نے نہایت دلیری سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کو کسی طرح ان کے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ وصیف کے بعد اس کا منصب بوقا کو سپرد کیا گیا جو عام طور سے وائم المحمد مشہور تھا۔

معتز باللہ کے آخری نتیجے

علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ بوقا ۲۵۴ھ ہجری میں سُر من رائے سے موصل کی طرف گیا۔ یہاں معتز کے غلاموں نے اس کا گھر بار لوٹ لیا۔ اس کی خبر اس کے ہمراہی لشکر کو معلوم ہوئی تو وہ سب کے سب اس کی اطاعت سے دست بردار ہو کر متفرق ہو گئے۔ اور بوقا تنہا ایک کشتی میں بیٹھ کر سامرے پہنچا۔

ابھی اپنے گھر پہنچا بھی نہیں تھا کہ اس کو ایک اہل مرغاب نے گرفتار کر لیا۔ اور معتز کو اس واقعہ کی خبر کی۔ اس نے اسی کے ہاتھ سے اسے قتل کروا دیا۔

حافظ ابرو نے اپنی تاریخ میں اس کی قاتل کا نام ولید لکھا ہے۔ اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ ولید بوقا کا سر کاٹ کر معتز کے پاس لے گیا۔ تو اس نے بارہ ہزار درہم اس کو انعام میں دئے۔ پھر اس کے سر کو عبرت عامہ کے خیال سے پہلے سامرے میں پھر بغداد میں آویزاں کر دیا۔ اور اس کی لاش میں گھاس بھر کر جلوا دیا۔ اور اس کی راکھ دریا میں ڈلوا دی۔

جب ترکوں نے معتز کے مخالفانہ مسالک اپنے قوم و قبیلہ کے سرداروں کے ساتھ اس حد تک دیکھے تو وہ سب کے سب صالح ابن وصیف کی ماتحتی میں ہو کر معتز کی مخالفت پر یکبارگی آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ اور سب سے پہلے اس نے وزیر احمد ابن اسرائیل اور اس کے وقت کے لوگوں کو پکڑ کر قید کر لیا۔ مگر جب ان لوگوں سے شاہی خزانے کے ملنے کی کوئی امید نہیں دیکھی تو ان کو چھوڑ دیا۔ اور معتز کو انتزاع خلافت کے لئے مجبور کرنے لگے۔ صالح ابن وصیف اور محمد ابن بوقا نے اہل مغربیہ کو بھی اپنا طرفدار اور پورا مددگار بنا لیا۔ اور ایک دن اپنے ہم خیالوں کی پوری جماعت کے ساتھ معتز کے قصر دار الخلافت میں بے باکی سے گھس پڑے اور اس کے پاؤں پکڑ کر ان شاہی محل سے باہر کھینچ لائے اور دھوپ میں [illegible] ۔ اور اس کو قبول خلع پر مجبور کرتے رہے۔ مگر جب اس نے کسی طرح اقرار نہ کیا تو آخر اس کو قید کر دیا۔ اور محمد بن واثق کو بغداد سے بلا کر تخت خلافت پر بٹھلانا چاہا۔ مگر واثق نے کہا جب تک میں معتز سے ملاقات کر کے خود اس سے دو دو باتیں نہ کر لونگا کبھی اس امر کو قبول نہ کروں گا۔

ترکوں نے مجبور ہو کر معتز کو قید خانہ سے نکالا۔ وہ غریب ایک میلی سی عبا اوڑھے اداس

بھٹی پرانی مشعل سر پر رکھے بُرے حال سے محمدؐ کے پاس آیا محمدؐ نے اُس کو دیکھتے ہی محبت سے گلے لگایا۔ اور پھر بکمال اخلاص و اخلاق اُس کی صورت حال دریافت کی۔ معتز نے ساری سرگزشت بیان کی اور پھر یہ بھی کہا کہ میں کسی طرح اسوقت تک خلع خلافت پر راضی نہیں ہوں۔ محمدؐ نے کہا کہ اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو میں ترکوں سے اور تمہارے میں مصالحہ کرائے دیتا ہوں۔ معتز نے کہا کہ میں تمہاری درمیانگی نہیں چاہتا۔ اب محمدؐ بیچارے خاموش ہو گیا۔ اور قید خانہ کے دربان معتز کو پکڑ کر پھر قید خانہ میں لے گئے۔ اور اب کی بار پہلے سے بھی اس پر زیادہ سختی کرنے لگے۔ اور یہاں تک سختی کی کہ اُس پر آب ودانہ بھی قطعی بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معتز پھڑک پھڑک کر اسی قید خانہ میں مر گیا۔ ترکوں نے اُس کے بعد اُس کی ماں قبیحہ کا گھر لوٹا۔ اور لاکھ اشرفیاں ایک دن میں برآمد کیں۔

یہ تھے اُس وقت کے خلفائے عباسیہ کے دگرگوں حالات۔ اور یہ تھے ان کے ابتدائی تنزل اور ادبار کے واقعات۔ علم تاریخ سے صحیح مذاق رکھنے والا شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اس خلافت میں بیرونی قوم کے لوگوں کو کسقدر دخل اور تصرف آزادانہ حاصل تھا۔ اور وہ لوگ اپنے اختیار اور تسلط کے اعتبار سے اس خلافت کے خلیفہ کی آئے دن کیا صورت بناتے رہتے تھے۔ اگر غور کی نظر سے دیکھا جاوے تو یہ نقص ہارون رشید کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اور اُس نے یحییٰ برمکی کو اپنے کاروبار میں پیش پیش کر کے غیر قوموں کو عرب کی سلطنت میں دخیل اور متصرف کر دیا تھا۔ اس کے بعد مامون نے ایک دوسرے عجمی خاندان کو زمین سے آسمان پر چڑھا دیا۔ ان دونوں کے آزادانہ عروج اور خود مختارانہ اقبال سے نظام ملکی میں جو جو خرابیاں واقع ہوئیں وہ بالتفصیل سب کو معلوم ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہاں تک بھی غنیمت تھا۔ اور ہارون و مامون نے جن لوگوں کو مُنہ چڑھایا یا اُن کو اپنی سلطنت کا مختار اور مدار المہام بنایا۔ وہ عرب نہیں تھے۔ عجم ہی سہی۔ مگر صاحب لیاقت اور اہل صلاحیت تو ضرور تھے۔ عام اس سے کہ وہ شعوب و دینداری میں کچھ بھی سلیقہ نہ رکھتے ہوں۔ مگر آئین جہانداری سے تو خوب واقف تھے۔

اُن کے تدبر اور تمدن کی لیاقتوں پر نظر کر کے اُن خلفا نے اپنے تمام ارکین دولت میں سے ان دونوں کو اپنی وزارت اور مدار المہامی کے مناصب جلیلہ کے لئے منتخب کیا تھا۔ اگرچہ بمقابلہ ان صاحبان استعداد اور جامعیت کے جو اہل عرب کے موجودہ لوگوں کو حاصل تھیں۔ یہ بیرونی انتخاب اور تعیین عام نگاہوں میں نازیبا اور حق تلفی ضرور تھا۔ مگر ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر است کے مفاد پر غور کرتے اور ان بیرونی لوگوں کے حُسن تدبیر اور سیاست کو دیکھکر کوئی شخص اعتراض کرنے کی جلد جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ مگر بخلاف ہارون اور مامون کے معتصم نے اس مسئلہ کی صورت کو اپنے زمانہ میں بالکل بگاڑ دیا۔ اور عجمی قوموں کے انتخاب سے قطع نظر کر کے رومیوں کو اُن کی جگہ پر انتخاب کیا۔ یہ امر تو ظاہر ہی کہ رومی قومیں ہمیشہ سے خلافت اسلامی پر دانت گڑائے بیٹھی تھیں۔ اور جب جب اور جیسے جیسے اُنکو موقعے ملتے گئے۔ وہ برابر بلاد اسلامیہ پر حملے پر حملے کرتی رہیں۔ اور اُن ممالک کو فتح کرنے اور اُن پر اپنا تسلط جمانے کی جی توڑ کوشش کرتی رہیں۔ ابھی ابھی مامون کو انہیں رومیوں کے ہاتھوں کتنی دشوار یاں پیش آچکی تھیں۔ خود معتصم بھی اپنی سلطنت کے خاص زمانے میں ان لوگوں سے

کتنا تنگ آچکا تھا۔ مگر باوجود یکہ معتصم ان تمام واقعات کو بخوبی جانتا تھا۔ تاہم اُس نے اپنے غلام افشین رومی کو صرف بابک خارجی کے معاملات میں کامیابی حاصل کرنے کی تنہا وجہ سے اتنا اعزاز دیا کہ اس کے پہلے اور اس سے بعد کے کسی دوسرے امیر کو ایسا اعزاز اور اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کو اپنے غلام اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان میں بعض ایسے ہی خدمتگزار اور وفادار بھی ہونگے مگر ان میں سے چند کی وفاداری اور ذی اعتباری تمام رومیوں کو عموماً وفاشعار اور لائق اعتبار نہیں ثابت کر سکتی۔ دیکھو۔ آخر میں اسی افشین کی حرکات سے معتصم کے نزدیک کھلی کھلی بغاوت اور صاف صاف محسن کشی ظاہر ہوئی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ معتصم کو مجبور ہو کر آخر کار اپنے نازپروردہ غلام افشین کو قتل ہی کرانا ہوا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

الغرض معتصم کے بعد۔ پھر تو اس قوم کے اختیارات روز بروز بڑھتے چلے گئے۔ اور ان کی ترقی یوماً فیوماً ہوتی چلی گئی۔ متوکل نے باغر کو منہ چڑھایا۔ نتیجہ یہ پایا کہ اُسی کے ہاتھ سے فرش راحت پر ذبح کیا گیا۔ مستعین نے وصیف اور بوقا کو اپنی ناک کا بال بنایا۔ اور آخر میں اس کو خلع خلافت کا بُرا دن بھی انہی نے دکھلایا۔ معتز نے پہلے توجوڑ توڑ سے اپنا کام نکالا۔ مگر پیچھے اُن دونوں کے اختیار سے آزاد بن جانے کی فکر کی۔ مگر محض بے وقت کیونکہ یہ لوگ اس وقت پورے عروج پر تھے۔ اور کمال قوت اور اوج پر۔ اس وقت ان کے ساتھ مخالفت کرکے خفیف چھوٹنے کے علاوہ اور کچھ بھی حاصل نہیں ہونے والا تھا۔ اسی لئے محمد ابن عبد اللہ نے اُسے روکا۔ تجویز صحیح تھی۔ مگر تدبیر بے موقع اور بے محل تھی۔ اس امر کو تدریجاً آہستہ آہستہ کرنا

چاہتا تھا۔ مگر معتز نے اُس کو کب کیا جب اس کی ان مخالفانہ تجویزوں کی خبر اُن لوگوں کو ہوگئی۔ اگرچہ ظاہری طور پر یہ لوگ سامرے میں جاکر اس سے مل گئے۔ مگر حقیقت میں اُن کے دل نہیں ملے معتز ہمیشہ اُن لوگوں کی تاک میں لگا رہا۔ اور یہ لوگ اُس کی گھات میں۔ آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ مستعین کی طرح معتز کو بھی مہتدی کے لئے تخت خلافت کو خالی کر دینا ہوا۔

یہ تھی رومیوں کی آزادی اور اُن کے تصرف فی الامور کے نتیجے۔ غرضکہ رومیوں کے بیرونی عنصر نے بغداد کی خلافت میں داخل ہو کر اُسکے بگاڑ دیا۔ کی معتدل اور مطمئن حالتوں میں ایک سخت ہیجان کی کیفیت پیدا کر دی۔ اور وہ روز بروز ایسی بڑھتی گئی کہ پھر کسی طرح اصلاح پذیر نہ ہو سکی۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اور عباسی خلفا

بہرحال ہم اس زمانے کی انتظامی کیفیت لکھ کر جس میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام موجود تھے اب آپ کی مقدس سیرت کے متعلق وہ حالات اور واقعات درج کرتے ہیں۔ جو خلیفہ اور خلافت کی طرف سے آپ کے ساتھ عمل میں لائے گئے ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو مستعین کی خلافت سے آغاز کرتے ہیں۔ اور معتمد کے وقت تک پہنچا کر ختم کریں گے۔ کیونکہ یہ معتمد ہی تھا جس نے آپ کو زہر دلوا کر اپنے زمانۂ سلطنت میں ہلاک کروا ڈالا۔

مستعین اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

بہرحال۔ اگرچہ بنی عباسیوں کے لئے یہ زمانہ کوئی اطمینان کا زمانہ نہیں تھا۔ کیونکہ ان کو اپنے قتل۔ اپنی قید اور سلطنت سے منتزع کئے جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اپنے خاص دربار کے کسی امیر پر اُن کو اعتبار نہیں تھا۔ اور نہ اپنے کسی غلام پر کوئی اختیار باقی تھا۔ وہ خلیفہ ضرور تھے اور

خلافت کو بہت بڑی دولت اور نعمت سمجھتے تھے۔ مگر باایں ہمہ امر خلافت کو ہر وقت وہر لحظہ اپنی جان جانے کا باعث۔ اپنے ذلیل ہونے کا پورا سبب جانتے تھے۔ یہ سب دقتیں موجود تھیں۔ یہ تمام آفتیں پیش نظر تھیں۔ مگر مخالفت اہلبیت علیہم السلام کی لگی اُن کے دل سے مٹی ہو۔ نہیں کبھی نہیں۔ وہ تو حفظ سلطنت کی اصلی اور یقینی حرز بنکر ہمیشہ دل میں رکھی رہتی تھی۔

مستعین اہل بصیرت سے تھا۔ علم تاریخ سے پورا ماہر تھا۔ مگر جب یہ ضرورت اور یہ موقع آپڑا تو وہ بھی اپنے علم ودانست سے کچھ کام نہ لے سکا۔ اتنی تمہید مختصراً لکھ کر ہم اپنے خاص مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

مستعین نے نہایت بیش قیمت گھوڑا خریدا تھا اتفاق سے وہ ایسا عجیبی نکلا کہ کوڑیوں کا مول ہو گیا اُسکا عیب بھی لاعلاج تھا۔ وہ اس قدر خونی جانور نکلا کہ دلیر سے دلیر سواروں کو اُس کی پیٹھ پر جانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اُس نے کتنے سواروں کو تنگ کرکے خاک کا پیوند بنا دیا۔ غرض جو گیا۔ اُسے داغ لگائے بغیر نہیں چھوڑا۔ شاہی فوج کے تمام بانکے ترچھے سوار اُس پر سواری کے نام سے کان پر ہاتھ دھرنے لگے۔ مستعین نے ہر طرف سے مجبور ہو کر اُس کو اُس کی حالتوں پر چھوڑ دیا۔

ایک دن اُس کی صحبت میں پھر اس کمبخت اور موذی جانور کا ذکر آیا تو اُس کے بعض خوشامد خوروں نے صلاح دی کہ سامرے میں اب کوئی جوان ایسا نہیں بچا جو اس گھوڑے پر چڑھ کر امتحان نہ کر لیا گیا ہو۔ سوائے ایک حضرت امام حسن عسکری ع کے کہ وہی تو تنہا اس وقت تک بے داغ بچے ہیں چونکہ خلیفہ کو خود ان کا قتل وخون منظور ہے اور اس امر میں ہمیشہ تدبیروں پر تدبیریں سوچا کرتا ہے۔ تو ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر اُس کے لئے کوئی دوسری سہل اور آسان ترکیب نہیں ہو سکتی۔ آج وہ بلائے جائیں اور اس خونی جانور پر چڑھائے جائیں نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ جانور انہیں مار ڈالے گا۔ خلیفہ کا دلی مطلب بھی نکل آئے گا اور خلیفہ اُن کے قتل کے الزام سے بال بال بچ جائے گا۔

الغرض مستعین نے اُن کے اس ادعائے زبانی کو وحی آسمانی سمجھ کر فوراً قبول ومنظور کر لیا۔ اور اُسی وقت اپنا ایک خاص ملازم آپ کی خدمت میں بھیجا۔ خلیفہ کا آدمی آیا۔ اُس کا پیغام سُنایا۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ذرا بھی تامل نہ فرمایا اور فوراً اُس کے ساتھ قصر خلافت میں تشریف لے آئے۔ ہم اس واقعہ کو صافی شرح اصول کافی کے ترجمہ سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

احمد ابن حرشا قریشی کا بیان ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ سامرے میں مقیم تھا۔ اور میرا باپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے طویلہ میں سالوتری کا کام کرتا تھا۔ میرے باپ کا بیان ہے کہ خلیفہ مستعین عباسی کے طویلہ میں ایک خچر تھا ایسا حسین۔ خوش جمال اور بالا قد جس کے ایسا دوسرا جانور میری نظر سے آج تک نہیں گذرا تھا لیکن اس میں عیب یہی تھا کہ وہ اپنے اوپر کسی کو سوار ہی نہیں ہونے دیتا تھا مستعین نے بہت سے سواروں کو اس لئے جمع کر رکھا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُس پر سوار ہو کر اس کو مطیع بنائیں اور سواری کے قابل کریں مگر ان سب لوگوں کی کوئی تدبیر اُس کی شوخ چشمی کے مقابلہ میں نہیں چلتی تھی۔ اور وہ کسی طرح سے اُس پر سوار ہونے کی قدرت نہیں رکھتے تھے پس اُس کی صحبت کے بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص نے مستعین سے کہا کہ آپ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری

علیہ السلام کو کیوں نہیں بلاتے اُن کو ضرور بلایا جائے اور اس پر سوار کیا جائے۔ یہ امر دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو وہ اُس پر سوار ہو جائیں گے یا وہ آپ کو مار ڈالے گا۔ اگر اُس نے آپ کو مار ڈالا تو اے امیر اُن کی طرف سے آپ کو خاطر خواہ اطمینان ہو جائے گا۔ یہ سُن کر مستعین نے کسی آدمی کو بھیجکر آپ کو بُلوا بھیجا۔ آپ بلا تأمل میرے باپ (راوی حدیث کے باپ حرث قزوینی) کو اپنے ہمراہ لیکر خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے۔

احمد اپنے باپ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام خلیفہ کے پاس جانے سے پہلے اُس قاطر کے پاس پہنچے۔ آپ نے جاتے ہی اُس جانور کے پٹھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ دست مبارک کے رکھتے ہی وہ عرق عرق ہو گیا۔ اسکے بعد آپ مستعین کے پاس تشریف لائے مستعین نے آپ کو دیکھتے ہی کہا۔ مرحبا یا ابو محمد علیہ السلام۔ اور یہ کہکر آپ کو نہایت تعظیم و تکریم سے اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر مستعین نے کہا۔ یا ابو محمد علیہ السلام آپ میرے قاطر کو لگام دیجئے۔ یہ سن کر آپ فوراً اُٹھے اور اُسے لگام دے کر پھر خلیفہ کے پاس واپس آئے اور اپنے مقام پر بیٹھ گئے۔ پھر مستعین نے عرض کی کہ آپ اُس پر زین بھی کس دیں۔ آپ نے زین بھی کس دیا اور پھر اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ جب آپ بیٹھ لئے تو مستعین نے کہا کہ یا ابو محمد علیہ السلام اب آپ اپنے میں اتنی قوت اور جرأت بھی پاتے ہیں کہ اس جانور پر سوار بھی ہو جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ کیوں نہیں۔ اس کے بعد آپ اس موذی اور خونی جانور پر سوار بھی ہوئے۔ اور اُس نے آپ کی سواری میں کسی قسم کی شرارت اور شوخی نہیں کی۔ اور کوئی شورہ پشتی نہیں دکھلائی۔ آپ نے اُس کو خوب چلایا بھی اور دوڑایا بھی۔ اور پھر اُس کو رہوار کی رفتار پر لگایا۔ اُس میں بھی وہ نہایت حسن و خوبی سے خوش رفتار نظر آیا۔ اس کے بعد آپ اُسے واپس لائے اور اُتر پڑے مستعین نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اس جانور کو کیسا پایا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اس سے بڑھکر خوش رفتار اور خوبصورت دوسرا جانور آج تک نہیں دیکھا ہے اور یہ اس کے لائق ہے کہ فلاں شخص کو (وہی شخص جس نے آپ کے سوار کئے جانے کی صلاح مستعین کو دی تھی) عنایت کر دیا جائے مستعین نے کہا۔ اے ابو محمد علیہ السلام یہ تو وہی شخص ہے جس نے مجھ کو آپ کے سوار کرنے اور امتحان لینے کی صلاح دی تھی۔ وہ اس کے لینے کا ہرگز استحقاق نہیں رکھتا۔ البتہ یہ جانور آپ کا حق ہے۔ اور میں نے اسے آپ کی خدمت میں اپنی طرف سے نذر کر دیا۔ یہ سُن کر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اُسے قبول کر لیا۔ اور میرے باپ کو حکم دیا کہ اپنے ہمراہ لیتے آؤ۔

اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ مستعین کے وقت میں آپ کی ہلاکت کی یہ ترکیب نکالی گئی تھی۔ اور آپ کو اس تدبیر سے رسوا اور ذلیل کرنا سوچا گیا تھا۔ مگر یہ شیطانی شرارت ربّانی قدرت کے آگے کیا کر سکتی تھی ؎ دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست۔ مستعین کے لئے جو امر مشکل سے مشکل اور محال سے محال تھا۔ وہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے لئے ممکن سے ممکن اور سہل سے سہل ثابت ہو گیا۔ اور وہی موذی اور خونی جانور جس نے بڑے بڑے سواروں کو ناہیں بار بار کر کے گرا دیا آپ کے ہاتھ رکھتے ہی رام ہو گیا۔ اور پھر ایسا کہ نہ لگام دینے کے وقت کوئی بد لگامی کی اور نہ زین کسے جانے کے وقت کوئی شرارت اور شورہ پشتی دکھلائی۔ سواری کی نوبت آئی تو آپ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے نہایت آرام اور

سہولت سے۔ کمال سبک خیزی اور خوش رفتاری کے ساتھ لے چلا۔ اور پھر ہر قسم کی عمارہ اور خوشنما رفتار جو بیش قیمت جانوروں کے شایاں ہوتی ہے کھلائی۔ اور پھر اسی طرح سے بآرام تمام آپ کو اپنے مقام پر واپس لایا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مستعین اور اس کے ہواخواہوں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا۔ مستعین کی قسمتوں میں یہ حالت مشاہدہ کر کے سوائے حسرت وندامت کے اور کچھ ہی کیا۔ کہاں تو وہ اپنے اس فعل سے جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کو ذلیل ورسوا کرنا چاہتا تھا۔ کہاں خود ایسا ذلیل ورسوا ہوا کہ مارے ندامت کے وہ جانور آپ ہی کو حوالہ کر دیا۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

حضرت امام حسن عسکری عم اور معتز باللہ

معتز باللہ کے زمانے ہی میں آپ کی امامت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اس سنگدل نے بھی آپ کے ساتھ کوئی رعایت اور نرمی نہیں کی۔ باوجودیکہ اپنی تخت نشینی کے وقت سے لے کر اپنے مقتول ہونے کے وقت تک اس کو اپنے خفقان سلطنت کی شاہانہ رودِ فکروں سے ایک دم بھی فرصت نہیں ملی۔ اور کبھی اطمینان اور فراغت نہیں ہوئی۔ مگر بایں ہمہ وہ آپ کی مخالفت اور قتل وہلاکت کو نہ بھولا۔ پر بھولا اس نے آپ کو آپ کے پدر بزرگوار کی طرح علی ابن یارش کی حراست میں نظربند کر دیا۔ یہ وہ شقی القلب ظالم تھا۔ یگانا صبی۔ جو سادات کرام علیہم السلام کی دشمنی اور مخالفت کے لئے خاص طور پر مشہور ومعروف تھا۔

حراست کی ایجاد متوکل کی اولیات اور مخترعات سے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر ہم اس کو ہارون رشید کی ایجاد قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ خلفائے عباسیہ میں ہارون ہی پہلا شخص ثابت ہوتا ہے جس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو مدینہ سے بغداد لیجا کر مختلف اور متفرق لوگوں کی حراست میں سپرد کیا تھا جیسا کہ پوری تفصیل کے ساتھ علوم کاظمیہ میں بیان ہو چکا ہے۔ مامون نے اپنے وقت میں اس حراست کو مخالفانہ پیرایہ میں نہیں۔ بلکہ دوستانہ طریقہ میں دکھلایا۔ اگرچہ مالی الضمیر باپ بیٹوں کا ایک ہی تھا معتصم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کو مدینہ سے بغداد میں بلوا کر رکھا تھا۔ اگرچہ حراست نہیں تھی۔ مگر مدینہ جانے کی اجازت نہ دی۔ اور ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھا۔ یہ حراست نہیں تو کیا ہے؟

پھر اتنے متواتر مشاہدات کے مقابلہ میں حراست کے مسئلہ کو متوکل کی مخصوص ایجاد کیسے کہا جا سکتا ہے۔

بہرحال۔ اس مسئلہ کو یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ جس طرح ہارون نے اپنے ہمعصر معصوم علیہ السّلام کو اپنے زیر حراست رکھا۔ اسی طرح مامون نے اسی طرح معتصم نے۔ اور اسی طرح متوکل نے۔ اور اس کے بعد پھر اس کے بیٹے معتز باللہ نے کیا۔ اور اپنے ہمعصر معصوم حضرت امام حسن عسکری عم کو اپنے معتمد علیہ رفیق علی ابن یارش کی حراست میں سپرد کیا۔ ان کی حراست کا جو نتیجہ ہوا وہ ذیل کی عبارت میں پوری تفصیل سے معلوم ہوگا۔

علی ابن یارش کی حراست کا آخری نتیجہ

علی ابن یارش کی تمام شقاوت اور بیرحمی ایک ہی دن میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے محامد عادات اور محاسن اطوار مشاہدہ کر کے فوراً بدل گئی۔ اور وہ آپ کے تقوے۔ آپ کی پرہیزگاری اور آپ کی عبادت گزاری ودینداری کو دیکھ کر آپ کی عقیدت وارادت میں کامل اور خالص ہو گیا۔ اور اسی وقت دوزانو ہو کر آپ کی خدمت عالی میں حاضر

ہوا۔ اپنی گستاخی اور سوءِ ادبی کی معافی مانگی۔ اور اسی وقت آپ کو اپنے مکان سے صحیح و سلامت کاشانۂ امامت کی طرف رخصت کر دیا۔ پھر تو علی ابن یارمش کا مآل کار ایسا اچھا ثابت ہوا کہ ہر شخص اس کی ابتدا اور انتہا کے حالات پر نظر کر کے اس کے تمام معاملات کو محض خدا کی تائید یقین کرنے لگا۔ علی ابن یارمش کہاں تو ناصبی مشہور تھا۔ اور کہاں اب ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کا مطیع و منقاد اور صاحب اعتقاد نکلا۔ کہ اُس کی زبان سے پھر سوائے مدح و ثنا کے کوئی اور کلمات ان ذوات مقدسہ کے متعلق نہیں سُنے گئے۔

یہ تمام باتیں نظام ربانی اور مشیت یزدانی سے پورا تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو نظام انسانی اور تجویز بشری سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ پھر ظاہر ہے کہ تقدیر ربانی کے آگے تدبیر انسانی کا کیا زور چل سکتا ہے۔ ہارون تدبیر، تجویز اور ترکیب میں مستعین اور معتز سے کم عقل ہرگز نہیں تھا۔ اُس کی سلطنت کی عظمت اور اُس کی حکومت کا شان و شوکت ان دونوں کی موجودہ شان و شوکت سے کہیں بڑھی اور چڑھی تھی۔ مگر جب وہ اس تائید ربانی اور حفاظت یزدانی کے روکنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکا تو ان سے کیا شدنی ہے۔

صالح ابن وصیف کی بار دیگر حراست

کتاب کافی کے جلیل القدر مؤلف اس واقعہ کے ایسا ہی صالح ابن وصیف کے متعلق حالات خاص اس کی زبانی نقل فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے اپنے غلاموں کا خلوص امام علیہ السلام کے ساتھ مہتدی باللہ کے اُن ہوا خواہوں سے بیان کیا جو صالح ابن وصیف سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے آزاد کرنے کی وجہ دریافت کرنے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صالح بھی علی ابن یارمش کی طرح اول میں شقی اور آخر میں صالح ثابت ہوا ہو تو کوئی تعجب نہیں ہے۔

معتز باللہ کے آخری نتیجے

تھوڑے دنوں کے بعد معتز باللہ نے اپنی بداعمالیوں کے نتیجے اُٹھا لئے۔ اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اُس کی وفات کی خبر چند روز پیشتر سے اپنے مخصوصین کو پہنچا دی تھی۔ چنانچہ دو ہفتے قبل اُس کے مرنے کے آپ نے ابو القاسم اسحٰق ابن جعفر زبیری کو لکھ بھیجا کہ تم بیس روز تک اپنے گھر سے باہر نہ نکلنا۔ یہاں تک کہ جو واقعہ پیش ہونے والا ہے۔ وہ پیش ہو کر بخیر و خوبی گزر جائے۔ اسحٰق نے آپ کی اس تحریر کو اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیا۔ جب قتل بریحہ کا واقعہ پیش ہوا تو اسحٰق نے آپ کی خدمت بابرکت میں لکھ کر دریافت کیا کہ جس واقعہ کی خبر آپ نے مجھے دی تھی شاید وہ یہی تھا۔ اب مجھے کیا حکم ہوتا ہے؟ اپنے گھر سے باہر نکلوں یا ابھی نہیں۔ آپ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ نہیں۔ وہ واقعہ یہ نہیں تھا۔ پھر جب معتز کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے اسحٰق کو لکھ بھیجا کہ وہ واقعہ گزر گیا جو تمہیں لکھا گیا تھا۔ اب تم مطمئن رہو۔

معتز باللہ کے آخری معاملات کی خلاصہ کیفیت یہ ہے کہ رومیوں نے معتز باللہ کی جگہ پر محمد ابن واثق کو مہتدی باللہ کا لقب دیکر تخت خلافت پر بٹھلا ہی دیا۔ اور معتز بغداد کے محبس سلطانی میں پڑا سسکتا رہا۔

مہتدی باللہ کی سلطنت

مہتدی نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اپنی ظاہری دینداری اور تقوے و پرہیزگاری کو

سبز باغ دکھلائے۔ اور دنیا اور اہلِ دنیا کو اپنی عام عالم فریبی کے جال میں پھانسا۔ اور اپنے آپ کو بنی عباسیوں کا عمر ابن عبدالعزیز مشہور کرنا چاہا۔ اس بنا پر اُس نے ایک خاص عمارت بنوائی جس کے چار دروازے تھے اور وہ ہمہ دم اور ہر لحظہ کھلے رہتے تھے۔ اس عمارت کا نام قبۃ المظالم والقضایا رکھا۔ اور اُس میں روزانہ بیٹھکر تمام لوگوں کی دادرسی کو پہنچتا اور استغاثے سُنا کرتا تھا۔ ہر جمعہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتا تھا۔

صالح ابن وصیف مہتدی کے وزیر السلطنت تھے۔ اور نظم و نسق ملکی کے تمام جزوی اور کلی اختیارات اُسی کے سپرد تھے۔ اور وہ اُس کے مزاج میں ایسا دخیل اور حاوی ہو گیا تھا کہ محل سے لیکر دربار تک کسی کو اُس کے امور میں چون کرنے کی مجال باقی نہیں تھی۔

رومیوں میں آپس کی مخالفت

ان کل وجہ مخالفت اب سنئے کہ بوقا کے صاحبزادے موسے کو صالح ابن وصیف کے عروج و اقتدار کی خبر معلوم ہوئی تو اُس کو سخت حسد پیدا ہوا۔ وہ اُس وقت حسن ابن زید العلوی کی مہم پر تعینات تھا جنہوں نے طبرستان کے علاقہ میں اظہار خودمختاری کیا تھا جس کا ذکر ہم اس سے قبل کی کتاب میں قلمبند کر چکے ہیں۔

موسے اس وقت اپنی ہمراہی جمعیت کیساتھ شہر رے میں مقیم تھا معتز باللہ کے خلع خلافت اور مہتدی کی حکومت۔ اور صالح ابن وصیف کی وزارت کی مفصل خبر سُن کر اُس کو اپنی محرومی اور ناکامیابی پر سخت افسوس آیا۔ اور وہ اُسی وقت سُر من رائے کی طرف روانہ ہو گیا۔ صالح ابن وصیف کو اس کی خبر ملی تو وہ اپنے معاملات میں کمال مضطر و پریشان ہوا۔ اور اُس نے مہتدی سے فوراً ایک فرمان موسیٰ کے نام اس مضمون کا لکھوایا کہ چونکہ اُس طرف کے معاملات فی الحال بالکل غیر مطمئن اور ناقابل اعتبار ہیں۔ اس لئے ابھی چندے اور تمہارا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ یہاں آنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

دار الخلافت سے ایک تیز رفتار قاصد یہ حکمنامہ شاہی لیکر چلا۔ راہ میں موسے سے ملاقات ہوئی۔ اور اُس کو وہ شقہ شاہی دیا۔ موسے نے وہ خط پڑھ کر کہا کہ مجھے جدید خلیفۂ عصر سے ملنے کی خود ضرورت ہے۔ اس لئے میں اس خط کے مضامین کی پابندی ضروری نہیں سمجھتا۔ قاصد یہ جواب لیکر راہ سے واپس آیا۔ اور خلیفہ کو جواب دیدیا۔

صالح کو موسے کا یہ جواب خشک دیکھ کر موقع مل گیا۔ اُس نے مہتدی سے موسے کے آزادانہ اور خودمختارانہ ارادے۔ اُس کی بغاوت۔ غدر اور سرکشی کی پوری نیت اسی ایک جواب سے ظاہر کر دی۔ اور کچھ ایسے جوڑ پھوڑ کاٹے کہ خلیفہ کو بھی یقین ہو گیا۔

اسی اثنا میں موسے بھی اپنی ہمراہی جمعیت کیساتھ پہنچ گیا۔ صالح کچھ ایسا خوف زدہ ہو کر گھبرایا کہ اپنے گھر میں روپوش ہو گیا۔ اور موسے بڑے تزک و احتشام اور شان و شکوہ سے دار السلطنت سُر من رائے میں داخل ہوا۔ خلافت کے تمام امراء و ارکین اُس کو ہاتھوں ہاتھ بڑے عزت و احترام سے قصر امارت میں لے آئے۔ وہ جدید خلیفہ سے ملا۔ اور خلیفۂ عصر نے بھی زمانہ سازی کے طور پر موسے کی حد سے زیادہ عزت افزائی کی۔ موسے نے اُسی وقت خلیفہ سے اپنی جان و مال کی امان کے لئے امن نامہ لکھوا کر اُس پر مہر و دستخط کروالیا۔ اس کے بعد موسے نے یہ سوچکر کہ شاید صالح

کی یہ روپوشی آگے چلکر کچھ رنگ لائے۔ اور وہ اپنے اختفائے عالم میں میری مخالفت اور مخاصمت کے ساز وسامان فراہم کرے۔ اور مجھے کچھ خبر بھی نہ ہونے پائے تو پھر عین وقت پر مدافعت کے لئے ہم سے کیا ہو سکے گا۔ اس لئے اُس نے اپنے ہمراہی لوگوں کو صالح کی تفحص اور تلاش پر تعینات کیا۔ اُس کے ہوشیار اور عیار جاسوسوں نے چند روز میں صالح کو ڈھونڈ نکالا۔ اور اُس کو اُس کے چھپنے کے مقام سے پوری ذلت وحقارت سے کھینچتے ہوئے باہر لائے۔ اور موسے کے پاس حاضر کر دیا۔ موسے کے ہواخواہوں نے اُس کے حکم کا انتظار بھی نہ کیا۔ اپنے امیر کی محض خوشنودی اور اظہار خلوص کی غرض سے فوراً اُسکا سر کاٹ ڈالا۔ موسے نے اُسی وقت صالح کا سر مہتدی کے پاس بھیجدیا۔ وہ بیٹھا ہوا اوراد و وظائف میں مشغول تھا۔ اُس نے کہا کہ بیجاؤ اور دفن کردو۔ اور پھر اپنا وظیفہ پڑھنے لگا۔ لیکن موسے کے ہواخواہوں نے خلیفہ کے حکم کے خلاف اُس کے سر کو نیزے پر چڑھا کر تمام کوچہ و بازار میں تشہیر کرایا۔ اور بآواز بلند پکار پکار کر کہنے لگے کہ جو شخص اپنے محسن اور ولی نعمت سے سرکشی اور بغاوت اختیار کرے یا اُسکا ارادہ کرے تو اُس کا نتیجہ ایسا ہی ہوگا جب اُس کو تمام شہر میں مشتہر کر چکے تو عبرت خلائق کے خیال سے اُس کو دارالعامہ پر لٹکا دیا۔

بہرحال۔ اس واقعہ سے صالح ابن وصیف کے زوال وادبار کی کیفیت اور اُس کے عروج واقتدار کے بعد اُس کی ذلت ورسوائی کی پوری حالت معلوم ہوگئی۔ مگر بایں ہمہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس وقت کے سلاطین عباسیہ کی کمزوری اور بے اختیاری اور مجبوری کا کیا عالم ہو رہا تھا۔ وہ نام کے بادشاہ تھے اور فرمانروائی اصل میں جہانداری اور مُلک داری کے تمام تعلقات سلطنت کے اُس امیر سے متعلق ہوتے تھے جو اپنی ثروت واقتدار اور قوت واختیار کی وجہ سے اُس پر حاوی ہو جاتا تھا۔ ہم نے جہانتک سلاطین عباسیہ کے موجودہ ضعف اور اضمحلال کی موجودہ حالت پر غور کیا ہے۔ ہم کو یہ امر ثابت ہوا ہے کہ وہ سب کے سب اس وقت ایسے ہی ہو رہے تھے جیسے ہمارے ہندوستان میں سلاطین تیموریہ کی حالت عالمگیر کے بعد ہوئی۔ جن لوگوں کو علم تاریخ سے خاص مذاق حاصل ہے وہ جانبین کی موجودہ مشابہت اور مماثلت کا پورا اندازہ کر سکتے ہیں۔

جناب امام حسن عسکری عم اور مہتدی باللہ

بہرحال۔ اتنا لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور یہ دکھلاتے ہیں کہ مہتدی نے اگرچہ کل گیارہ مہینے کئی روز سلطنت کی۔ اور باوجودیکہ اُس کو اپنی دینداری اور تقوے اور پرہیزگاری پر بھی ناز تھا۔ مگر بایں ہمہ ان کے مسالک اور طریقے حضرات اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ ویسے کے ویسے ہی تھے جیسے ان کے اسلاف تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنے معاصر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ اپنی مخالفت اور مخاصمت کو بھی اُسی سختی اور شدت کے ساتھ جاری رکھا۔ چنانچہ جناب حسن عسکری عم کی دوسری حراست جو خاص مہتدی کے ایماسے واقع ہوئی وہ صالح ابن وصیف سے تعلق رکھتی تھی۔ معتز کے وقت میں آپ کی نظربندی علی ابن یارمش کے سپرد تھی۔ اُس کا جو نتیجہ ہوا وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ صالح ابن وصیف کی حراست جسکا ذکر کسی قدر اوپر کیا گیا ہے تفصیلاً ذیل کی عبارت سے واضح ہوگی۔

حضرت امام حسن عسکری عم اور صالح کی حراست

مہتدی نے آپ کی حراست کا عہدہ صالح ابن وصیف کو سپرد کیا اور صالح نے یہ خدمت اپنی طرف سے اپنے غلاموں کو سپرد کی۔ اور علی ابن

بارش کی طرح ایک علیحدہ مکان میں جو اصل جیل سے بالکل
علیحدہ واقع تھا نظر بند رکھا اور اپنے عناد اور تعصب ہی
کی وجہ سے آپ کی ایذا رسانی اور آزار دہی میں اپنی کوششوں
کے اظہار کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ وہ دانہ پانی تک
کی طرف سے بھی آپ کو بالکل مجبور و معذور کر رکھا تھا فقط
آپ کی وجہ سے اکثر فاقہ ہی ہوتے اور فرمائی جاتی تھی العیاذ
باللہ من شر الظالمین۔

گو یہ تکلیف بھی ظاہری طور پر آپ کی زحمت اور آزار کا
باعث ہوئی تھی مگر باطنی طریقہ پر اس کا اثر نہایت مفید
اور ضروری کام کر رہا تھا۔ جو حقیقت میں ربانی کے ارادے میں
پہلے سے تجویز ہو چکے تھے۔ ان تمام مصیبتوں پر جناب امام حسن
عسکری علیہ السلام کا صبر فرمانا اور کچھ نہ فرمانا۔ اور شبانہ
روز عبادت ربانی اور تلاوت قرآنی میں مصروف رہنا
اور ہر حال میں اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق
کا پورا اظہار کرنا بے اثر اور غیر مفید ثابت نہیں ہوا بلکہ
اس نے نظر بندی قید اور ایسی مجبوری کے زمانے میں
ہدایت عامہ کے وہ فرائض ایسی آسانی سے انجام دیے جو
آزادی اور اختیار کے زمانے میں بھی ایسی سہولت سے
پورے نہیں کیے جا سکتے تھے۔

آپ کے اس صبر و تحمل نے جو حقیقت میں امام زمانہ کی
خاص حسن تدبیر تھی اور کچھ بھی نہیں۔ ان غلاموں کے قلوب
پر ایسا کامل اثر پہنچایا کہ وہ مخالفت اور مخاصمت کے عوض
میں آپ کی اطاعت اور عقیدت کا دم بھرنے لگے اور
اپنے مالک صالح کی تادیب اور تنبیہ وغیرہ سے بالکل بے خوف
اور بے پرواہ ہو کر آپ کی راحت رسانی کے خدمات انجام دینے لگے۔
صالح ابن وصیف کو کئی مہینوں کے بعد ایک دن آپ کی
حالت دریافت کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اسی وجہ سے وہ اس مکان تک آیا جہاں جناب امام
حسن علیہ السلام غلاموں کی حراست میں قید کیے گئے تھے یہاں آکر صالح نے دیکھا تو
اپنی آرزو کے خلاف اپنی تمام منشاؤں کے برعکس اُسکے تمام غلام آپ کی
خدمت کرتے ہیں اور تکلیف دہی اور ایذا رسانی کی جگہ آپ کی راحت رسانی
کے سامنے سامان فراہم کرتے ہیں ان کے خلوص اور عقیدت

کی یہاں تک نوبت پہنچی ہوئی ہے کہ کسی کے سامنے
ان میں سے بعض تو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
کی خدمت میں دو زانو سر جھکائے بیٹھے ہیں اور بعض آپ
کی پس پشت حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ غرض جو ہے وہ
سرگرم خدمت اور آمادہ اطاعت۔ یہ سامان دیکھ کر صالح
کے تو ہوش اڑ گئے۔ اس نے اپنے دل میں اندازہ کر لیا کہ
جب میں ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کھڑا ہوں اور
یہ میرے سامنے امور خلاف حکم کر رہے ہیں نہ مجھ
سے ڈرتے ہیں اور نہ میرا لحاظ کرتے ہیں۔ اس لیے
اگر اس وقت ان کی فوری تنبیہ اور سیاست کا ذرا بھی
اظہار کیا جائے تو یہ سب کے سب اپنے خلوص و
عقیدت کی تازہ جوش میں میرے ہی اوپر ہاتھ
صاف کر دیں تو اور لینے کے دینے پڑ جائیں اس
لیے وہ ان لوگوں سے کچھ نہ بولا۔ اور اپنے مقام کو
واپس آیا۔ مگر یہاں آ کر اس نے سوچا کہ اگر میرے
غلاموں کے خلوص و عقیدت کے تعلقات حضرت
امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ ایسے ہی رہے
تو پھر تمام زرخرید غلاموں کے شیعہ ہو جانے کا احتمال
رفتہ رفتہ قوی ہو جائیگا۔ اس لحاظ سے اس نے
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو رہا کر دیا۔

مہتدی باللہ کے آخر نتیجے

یہ تو مہتدی کے زمانے کے حالات و واقعات تھے جو
جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو پیش آئے۔ اب
ان کے بعد ہم مہتدی کے آخر نتیجے ذیل میں قلمبند
کرکے دکھلاتے ہیں کہ آگے چل کر اس کے ساتھ کیا گزری
یہاں تک تو ہمارے سلسلہ بیان سے معلوم ہو چکا کہ
کہ صالح ابن وصیف کے تمام عروج و اقبال کو مہتدی
ابن متوکل نے سامرے میں پہنچتے ہی پامال کر دیا۔ اور
پھر اس طرح کہ اس کی عزت و ثروت کا کہیں نام و
نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس کی جان بھی گئی اور جان
کے ساتھ ساری شان و شوکت بھی۔ وہ کیا تھا

اور کیا ہوگیا۔ مہتدی میں اُس وقت اتنی قوت، جگرداری اور پاداری کہاں جو موسلے سے اُس کے خونِ ناحق کی باز پرس کرتا۔ یا اُس کی بے اعتدال اور بڑھتی ہوئی قوت کو محدود کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ تو اچھا خاصہ کھلونا تھا۔ امرائے دولت کے ہاتھوں میں۔ اگر اُس میں خاص طور پر کوئی ذاتی مادہ موجود ہوتا تو اُن لوگوں کو اپنے اوپر حاوی کیوں ہونے دیتا۔ وہاں تو خلیفہ کا مجسمہ بالکل خول کی صورت ہو رہا تھا۔ کسی سرکش۔ کسی خود سر اور کسی باغی کی سیاست اور سزا کی امید کی حیاتی تو کجا۔ مہتدی کے ایسے کمزور خلیفہ نے تو موسلے کے ہاتھوں فی الحال اپنی جان ہی کے بچ جانے کو ہزار غنیمت سمجھا اور صالح ابن وصیف کے ایسے ناز پروردہ اور سرِ آوردہ وزیر السلطنت کے قتل ہو جانے کے واقعہ پر۔ جو اُس کی خاص آنکھوں کے سامنے پیش ہوا۔ اپنے دل کو یہ سمجھا لیا کہ اگر وہ نہیں ہے۔ تو اُس کی جگہ میری درازیٔ عمر کے سارے کام یہ انجام دیگا۔ اس عقل کے دشمن سے کوئی پوچھے کہ اب خلافت کے اختیارات کے اعتبار سے تمہارا وجود ہی کیا ہے؟ اور تمہارے کام کی ہستی کتنی ہے؟ سلطنت ہے تو رومیوں کی خلافت ہے۔ تو ترکوں کی۔ اور کام ہیں تو اب اُن کے وہ کرینگے یا نہیں کرینگے تو اپنے کام۔ تم کون۔ یہ تو اُن کے اشفاق ہیں کہ وہ اپنے پورے اقتدار اور اختیار کی حالتوں میں بھی ابھی تک تم کو اپنا برائے نام خلیفہ سمجھے جاتے ہیں۔ ورنہ وہ اس وقت چاہیں تو معتز باللہ کی طرح تم کو بھی تختِ خلافت سے اُتار کر کالی کوٹھڑی یا اندھیری قبر کے حوالے کردیں اور تم سے کچھ نہ کیا جائے۔ جیسا کہ مہتدی نے آگے چل کر خود دیکھ لیا۔

بہرحال بتمہیداً اتنا بیان کرکے ہم اپنے سابق سلسلۂ کلام پر آجاتے ہیں کہ موسلے ابن بوغا نے دربارِ خلافت میں تدریجاً اپنا ایسا رنگ جمایا کہ اُس کے عنوان و آثار کے آگے تمام امرائے دولت کے اقتدار اور اختیار بالکل پھیکے پڑ گئے اور موسلے کی ذی اختیاری اور آزادی کا یہ نتیجہ نکلا کہ اُس نے ترکوں کی جماعت کے ہمراہ ہوکر مہتدی سے مقابلہ کردیا۔ اگرچہ اکثر امرائے دولت نے خلیفہ کا پورے طور سے ساتھ دیا اور امداد کی اور موسلے کو اس کا نتیجہ سے متنبہ کرنا چاہا۔ مگر وہ باغی ہوچکا تھا۔ اور اب ایسا کیا تھا کہ ان امیرانہ دھمکیوں میں آجاتا۔ یہ سب کے سب اپنا سر پیٹتے رہے۔ اور وہ اپنا کام کرتا چلا گیا۔ قلعۂ شاہی کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں نے بھی ترکوں کا مقابلہ کیا۔ مگر ان غریبوں سے اُن کا کیا ہونے والا تھا۔ اُن کا یہ مقابلہ اور مقاتلہ بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ ترکوں نے کل دو ہی حملوں میں اُن کا کام تمام کردیا اور اُن کی ساری جمعیت کو اپنے سامنے سے مار بھگایا۔ جب دارالامارۃ کا دروازہ صاف ہوگیا تو ترکوں کی فاتح و منصور جماعت بلا مزاحمت قصرِ شاہی کے اندر گھستی چلی گئی اور تختِ خلافت کے قریب پہنچ کر مہتدی کو اُتارا اور فوراً قتل کر ڈالا۔

یہ تھے مہتدی کی بداعمالیوں کے برے نتیجے۔ اور یہ تھی اُس کی ذلیل اعمالیوں کی آخری پاداش۔ جو اُس نے اپنی کردار و رفتار سے اپنی جان پر آپ اٹھائی۔ مہتدی کی نسبت تاریخ والوں نے اُس کے زہد و اتقا کے متعلق بہت کچھ طومار لکھے ہیں مگر ہم ان تمام باتوں کو سوائے شاہی خوشامد کے اور کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ بہت بڑا عابد سہی بہت بڑا متقی سہی۔ بہت بڑا پرہیزگار اور دیندار سہی مگر جب اُس کے مسالک حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ جو حجتِ عصر اور امامِ زمانہ کے

منصب پر اُس وقت فائز تھے۔ ایسے مخالف ثابت ہوتے ہیں۔ تو پھر نہ اُس کا کوئی نہ پہ کام آنے والا بنتے نہ تقوے۔ نہ کوئی پرہیزگاری کام آسکتی ہے نہ دینداری۔

معتمد کی سلطنت

جہاں تک تاریخوں سے پتا لگایا گیا ہے۔ یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ سامرے میں دارالسلطنت کے تعلقات متوکل کے زمانے سے شروع ہوکر مہتدی کے وقت تک تمام ہوگئے۔ متوکل کے بعد کوئی ایسا خلیفہ اس سلطنت پر نہیں بیٹھا جس کو اُس کے امیروں نے آخیر میں دھوکا نہ دیا ہو۔ اور انھوں نے بیوفائی اور پیمان شکنی کرکے اُس کو قتل یا قید نہ کیا ہو مہتدی کے بعد جب امرائے معتمد کی خلافت کا ڈول ڈالا۔ اور معتمد کو بھی اُس کی یہ خبر پہنچی تو اُس نے اُن لوگوں کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے آپ حضرات کی تجویز سے کوئی اختلاف نہیں۔ جو ہے وہ اسی قدر کہ میں کاروبارِ سلطنت سامرے میں رکھنا نہیں چاہتا بلکہ اُسے بالکل ناسزاوار سمجھ کر دار الخلافت کے کاروبار کو پھر سامرے سے بغداد میں واپس لاؤنگا۔ ترکوں نے باتفاقِ خود یا اس کو قبول کر لیا۔ اور حقیقت میں وہ اس وقت ایسا چوکے کہ پھر تا عمر اُس کی اصلاح نہ کرسکے۔ اُن کا مقصد تو معتمد کے بادشاہ بنانے سے بھی وہی تھا۔ جو اس سے قبل بادشاہوں کے بنانے سے فائدہ حاصل ہوچکا تھا۔ مگر معتمد نے تبدیلِ دار الخلافت کے مسئلہ کو اُن لوگوں سے منظور کرا کے اپنا اُلّو ان پہلے ہی ایسا سیدھا کرلیا کہ پھر اُن کی وہ تمام دور دراز امیدیں منقطع ہوگئیں۔ اُن کا عموماً منشا تو یہی تھا کہ سابق بدستور خلیفہ تو برائے نام رہیگا۔ اور خلافت کے تمام کاروبار جیسا کرتے ہیں ویسا کرتے رہینگے۔ مگر بخلاف اُن کی امیدوں کے حالتِ موجودہ میں۔ تبدیلِ دار الخلافت کی وجہ سے اُن امرا کو اہلِ بغداد سے وہ اعانت اور وہ امداد نہ مل سکی جو اہلِ سامرہ سے برابر ملتی چلی آتی تھی۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ خاص شہر بغداد کی امارت محمد ابن عبد اللہ ابن طاہر ذوالیمینین کے متعلق تھی اور معتز باللہ کے زمانہ سے یہ وہاں مامور تھا۔ اُس کو نہ صالح ابن وصیف سے کوئی خاص واسطہ تھا اور نہ موسےٰ ابن بوغا سے کوئی حقیقی سروکار۔ پھر محمد ان دونوں کے زیر اثر سمجھا جاتا تو کیسے؟

بہرحال۔ پہلے ہی معتمد۔ ترکوں کے ساتھ تبدیلِ دار الامارت کی نسبت ایسی چال چل گیا کہ اُن کی تمام قوتیں پارہ پارہ ہوگئیں اور وہ اُس کے خلاف اپنی باغیانہ کوششوں پر جرارت نہ کرسکے۔ معتمد رشعبان ۲۵۷ ہجری میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اُس نے اپنے باپ متوکل کے وزیر فتح ابن خاقان کے چھوٹے بھائی عبید اللہ ابن خاقان کو اپنی وزارت کا عہدہ سپرد کیا۔ اور اپنے رومی غلام مفلح نامی کو صاحب الزنج کی مہم پر روانہ کیا۔ صاحب الزنج سرد حبشی النسل تھا۔ اُس نے کوفہ۔ بصرہ۔ بغداد اور سامرہ کی تمام حبشی قوموں کو اپنی سازش میں لاکر عراق کی سرحد میں بغاوت اور سرکشی اختیار کی۔ مہتدی سے اس کے متعلق کوئی اصلاح نہ ہوسکی اور موسےٰ ابن بوغا کی ذی اختیاری اور پاداری سے بھی اس کا کچھ نہ ہوسکا معتمد نے سب سے پہلے اُسی کے امور کی طرف توجہ کی۔ مفلح بغداد کی فوج سلطانی کے ساتھ اس کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ مگر عین مقابلہ کے وقت مارا گیا۔ مفلح کے ہمراہ معتمد نے اپنے بھائی موفق کو بھی کردیا تھا۔ اب سنیئے کہ جب مفلح مارا گیا۔ تو موفق اُس کے (صاحب الزنج کے) مقابلہ کی تاب لایا۔

اور میدانِ جنگ سے ہٹ کر شہر واسط میں چلا آیا
اور یہاں سے نہروان کی طرف چلدیا۔ مگر اس
کوشش میں بھی وہ ناکامیاب رہا۔ یہاں سے لوٹ
کر وہ اہواز میں پہنچا۔ اور اس مقام کو اپنے لشکر کا مرکز
قرار دیا۔ غنیم بھی تعاقب کرتا ہوا سر پر آپہنچا
اتفاق وقت سے موفق کے لشکر میں آگ لگ
گئی۔ جانیں تو خیر کسی نہ کسی طرح بچ گئیں۔ مگر سارا
مال ومتاع جل کر خاک سیاہ ہوگیا۔ آخر کار موفق
ہر طرح سے محروم و مایوس ہوکر سامرے کو واپس آیا۔
ابھی صاحب الزنج کے معاملات سے فراغت
نہیں ہوئی تھی کہ یعقوب ابن لیث کی سرکشی اور
خودسری کی خبر ملک عجم سے دارالخلافت میں پہنچی
مگر ہم دونوں کے معاملات کو یکجا بیان نہیں کرینگے
اس لیے پہلے صاحب الزنج کے احوال کو خاتمہ
تک پہنچا کر پھر یعقوب ابن لیث کے حالات کو
بیان کرینگے۔
مگر تمہیداً اتنا بیان کردینا ضروری سمجھتے ہیں
کہ موفق سامرے سے فوراً ممالک ایران میں یعقوب
کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا اور یہاں پہنچکر اس
نے پہلے ہی مقابلہ میں یعقوب کو شکست پہنچائی۔ مگر
جب تک وہ ایران کے معاملات میں مصروف رہا۔
تو یعقوب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بسرعت تمام
بڑھتا ہوا سرحد عراق میں داخل ہوگیا مگر چونکہ موفق
کو اپنی عدم موجودگی کی ایک بار مضرت معلوم
ہوچکی تھی۔ اس لیے اس نے ان کی طرف کوئی
توجہ نہیں کی۔ اور وہ صاحب الزنج کے معاملات
میں جیسا مصروف تھا ویسا ہی مصروف اور سرگرم رہا

صاحب الزنج کے آخری حالات

اسی اثنا میں صاحب الزنج نے ممالک ساحل میں
جو بغداد سے بالکل قریب اور خلیفہ کی خاص املاک میں
میں داخل تھا۔ پہنچکر سخت خرابی پیدا کی۔ اور تمام علاقہ
کو لوٹ مار کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ یہ سنکر موفق نے اپنے
بیٹے عباس کو فوراً اس کی مدافعت کے لیے روانہ
کردیا اور خود تجمیع و ترتیب لشکر کی طرف متوجہ ہوا
تھوڑے دنوں کے بعد موفق بھی ایک تازہ دم فوج
جرار کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اپنے بیٹے عباس سے
شہر واسط میں آملا۔ باپ بیٹے دونوں نے اپنی قوت
مجموعی سے صاحب الزنج کے اس شہر پر جس کا نام
منیعہ تھا۔ حملہ کردیا۔ بڑی سخت خونریزی ہوئی
اور بڑی جنگ عظیم واقع ہوئی۔ کشتوں کے پشتے لگ
گئے۔ بڑی کوشش کے بعد موفق نے شہر پر اپنا
قبضہ کرہی لیا۔
حقیقت امر یہ ہے کہ چودہ برس کامل عروج کے بعد
اب صاحب الزنج کے اقبال کا ستارہ زوال کے
قریب پہنچ گیا تھا۔ اور مقتضائے بداقبالی کے آثار
نواحی سے ہویدا اور آشکارا تھے۔ اسکو خود اسکے رفقا اور
اعوان و انصار نے چھوڑ دیا تھا اور اس کی رفاقت
و اعانت سے قطعی دست برداری اختیار کی تھی۔ مگر
تاہم وہ اپنی ذاتی ہمت و استقلال سے تنہا کام
لیتا رہا۔ مگر کب تک۔ آخر کار گرفتار ہوا۔ اور
قتل کیا گیا۔
موفق نے اس کا سر کاٹ کر اپنے بیٹے عباس کی معرفت
معتمد کے پاس بھیجدیا۔ معتمد کے حکم سے تمام شہر میں
وہ سر تشہیر کرایا گیا۔ موفق کے حسن خدمات نے معتمد
کو ایسا راضی اور خوشنود کردیا تھا۔ کہ اب اس کی نگاہوں
میں سوائے ان باپ بیٹوں کے کوئی دوسرا اچھا ہی نہ
تھا۔ مگر موفق کو ان مراحم خسروانہ سے زیادہ دن تک
مستفیض ہونا نصیب نہیں ہوا۔ اور وہ سال بھر کے
اندر ہی مرگیا۔ صاحب الزنج کے معاملات ۲۵۵ھ
سے شروع ہوکر سنہ ۲۷۰ ہجری میں ختم ہوئے۔ اور اسی
سال موفق بھی مرگیا۔
بہرحال۔ اگرچہ یہ واقعات جناب امام عسکری علیہ السلام

کی وفات سے دس برس بعد پیش ہوئے۔ اس لحاظ
سے ہماری موجودہ کتاب میں اس کی ترتیب ضرور
قبل از وقت خیال کی جائے گی۔ مگر ہم کو جس کی ضرورت
نے ان واقعات کو یہاں بیان کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ
صرف اس قدر دکھلانا تھا کہ معتمد تخت سلطنت پر
بیٹھتے ہی ایسے ایسے سخت انتشار اور اضطرار میں گرفتار
ہو گیا اور اس کو عراق اور ایران ۲ دونوں مقاموں کی
بغاوت اور بڑا علوی نے چاروں طرف سے گھیر لیا
اور ان کی مدافعت کی فکروں میں ہمہ دم و ہمہ وقت
ایسا مصروف ہوا کہ دم لینے کی فرصت نہیں رہی

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اور معتمد کی مخالفت

مگر با ایں ہمہ مخالفت اہلبیت علیہم السلام کے قدیم شعار
کو جو اس کی آبائی رفتار اور موروثی آثار چلے آ رہے تھے
ایک دم کے لیے بھی نہ بھول سکا اس میں شک نہیں
کہ چاروں طرف کے تفکرات نے اس کو ایک بار
گھیر رکھا تھا۔ شبانہ روز کے انتشار و اضطرار نے اس
کے تمام عیش و عشرت کو بدمزہ اور بیکار کر دیا تھا۔ اور
رات دن میں ایک دم اور ایک لحظہ بھی اپنی ان مصیبتوں
سے فرصت نہیں تھی۔ مگر با ایں ہمہ حضرت امام حسن
عسکری علیہ السلام کی حراست اور نظربندی کو ایسا
ہی ضروری اور لازم سمجھتا تھا کہ اپنی حدود بھر کی مشغولیت
میں بھی اس نے آپ کے معاملات کی طرف سے غافل
رہنا پسند نہیں کیا۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اور نحریر رومی کی حراست

معتمد نے اپنے غلام نحریر کو جو ظلم و شقاوت اور
اہلبیت علیہم السلام کی مخالفت میں تمام دنیا کے
ظالموں سے زیادہ شدید تھا۔ آپ کی حراست سپرد
کی اس نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو اس
قدر تکلیف دی اور یہاں تک ستایا کہ روزانہ احتیاج
کی طرف سے بھی آپ کو بالکل مجبور و معذور کر دیا۔ اکثر
پانی وضو تک کو بھی نہیں ملتا تھا۔ اور تیمم سے نماز
پنجگانہ ادا فرمائی جاتی تھی۔ آپ کی شبانہ روز تکلیف اور
ایذا کی آخری کار یہ نوبت پہنچی کہ غیر تو غیر تھے۔ نحریر
کی بی بی سے آپ کی بیکسی اور بے بسی نہیں دیکھی گئی
تو آخر کار اس نے ایک دن اپنے شوہر کو مخاطب کر کے کہا
کہ تجھ کو کچھ خدا کا خوف نہیں آتا۔ غضب خدا کا۔ تم کو
پورا علم ہے کہ یہ بزرگوار جو تمہاری حراست میں نظربند
ہے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند
دلبند ہے اور پھر تم باوجود اس علم کے اس کو ایسی ایذا
اور ایسی تکلیف پہنچاتے ہو۔

اس نیک مزاج اور خیر خواہ بی بی کی فہمائش اس
کی آتش مخالفت میں ٹھنڈک تو پیدا کیا کرتی۔ الٹی نحریر
کی شعلہ مزاجی میں اور اشتعال پیدا ہو گئی اور
اپنی عورت کی تعریض کو اپنی شان کے خلاف سمجھ کر اس
سے کہنے لگا کہ تم جس بزرگوار کے ساتھ مجھ سے رعایت
اور نرمی کرنے کی فرمائش کرتی ہو اس کے بارے
میں تو خلیفہ نے آج یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ مردم
خوار جانوروں کے آگے ڈالدیا جائے۔ اس کا یہ کلام
سنکر اس غریب عفیفہ کو سوائے خاموشی کے اور کچھ
بن نہیں پڑا۔ نحریر کو حقیقت میں بی بی کی تعریض
ایسی بڑی معلوم ہوئی تھی کہ وہ یہاں سے جل بھن کر
اٹھا اور معتمد کے پاس آ کر حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام کے بارے میں خدا جانے کیسی کیسی باتیں
لگائیں اور اس کو آپ کی فوری ہلاکت پر آمادہ کر کے
یہ تجویز معتمد سے منظور کرا لی کہ جناب امام حسن عسکری
علیہ السلام برکۃ السباع میں ان قوی اور مردم خوار جانوروں میں
چھوڑ دیئے جائیں جو خاص اسی ضرورت کیلئے فراہم کئے گئے تھے

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام قوی جانوروں میں چھوڑ دیئے گئے

بہرحال معتمد نے اپنے غلام کو یہ حکم دے کر آپ اپنے

محل میں واپس آیا۔ اور وہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو قید سے نکال کر برکۃ السباع میں لے گیا اور اس احاطہ کا دروازہ کھول کر آپ کو اس میں داخل کر دیا اور خود اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اسی احاطہ کے دروازے پر کھڑا ہو کر آپ کے نتیجہ کو ہزار چشم اشتیاق سے دیکھنے لگا۔

اب سنیے۔ جونہی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اس صحن میں داخل ہوئے وہ تمام جانور اکٹھا ہو کر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے باطمینان تمام اُن کی پشت اور سر پر اپنے دستِ شفقت پھیرے اور وہ سب کے سب اپنی ارادت اور عقیدت سے اپنی گردنیں آپ کے پائے مبارک پر جھکائے رہے اور ایک عرصہ تک خموشی اور سکوت کے عالم میں کھڑے رہے پھر آپ نے انہی مردم خوار جانوروں میں اپنا مصلے زمین پر بچھایا اور باطمینان و استقلال تمام پوری نماز پڑھ لی وہ تمام جانور آپ کے چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے رہے۔

معتمد کے غلام رومی نے یہ عالم دیکھ کر اپنے آقا معتمد کو بلا کر اپنے ہمراہ اُس احاطہ کے دروازے پر تماشے کی نظر سے کھڑا کر لیا اور اُن دونوں نے مل کر آپ کے یہ حالات و کرامات برائے العین مشاہدہ کیے تو اُن پر یکایک خوف الٰہی کا ایسا عالم طاری ہوا کہ بوٹی بوٹی کانپنے لگی سوائے اس کے کہ وہ اس قدرت عجیبہ کا مشاہدہ کر لے اور مُنہ سے کچھ نہ کہے اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ بعد اس کے اُس نے بہزار بحالت ندامت احاطہ کا دروازہ کھلوا دیا اور آپ صحیح و سلامت بخیر و عافیت اُس میں سے باہر نکل آئے۔

یہ واقعہ ابھی بجنسہ اسی طرح جناب امام علی نقی علیہ السلام کے ساتھ متوکل کے زمانہ میں اوپر لکھا گیا ہے اور متوکل اور اُس کے ہوا خواہوں نے ان مشاہدات ربانی کو اپنی آنکھوں سے آپ دیکھ لیا تھا۔ مگر نہیں معلوم کہ وہ قلوب کیسے تھے اور اُن کے قوائے احساس کا کیا عالم تھا کہ وہ ان بزرگواروں سے برابر اور متواتر ان معجزات کو دیکھتے تھے تاہم اُن کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ وہی تھے۔ جن کی نسبت اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا آیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں اکی مثال ٹھیک اُترتی ہے ورنہ معمولی سے معمولی لیاقت والا آدمی بھی ان مشاہدات کو دیکھ کر اپنی جہالت پر کبھی قائم نہ رہ سکتا جہاں تک اس غفلت جہالت اور ضلالت کی وجہ دریافت کی گئی ہے سوائے دنیاوی اقتدار و ثروت اور غرور سلطنت کے کوئی دوسرا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اس ہوڈی کا نشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ پھر کسی طرح اُترتا ہی نہیں جن لوگوں نے آثارِ قدیمہ اور اخبارِ ماضیہ کا ملاحظہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ انبیائے کرام علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السّلام کے مقابلے میں جن لوگوں نے اپنی جہالت کو نہ چھوڑا اور اُن کی آیات و کرامات کا مشاہدہ کر کے ہدایت پانے کی جگہ اُن کا خون ناحق کیا اور اُن کو آزار پر آزار پہنچائے۔ آخر وہ بھی انہی کے سے ایسے انسان تھے پھر انہوں نے باوجود ان کثیر مشاہدات کے اُن حضرات کے ساتھ اپنی عقیدت اور ارادت کا اظہار کیوں نہ کیا۔ بلکہ برعکس اس کے اُن کی ہلاکت اور ایذا اور زحمت کے کیوں باعث ہوئے۔ پس ان تمام لوگوں کی مثال ہیں

ہم کو انہی لوگوں کی مثال ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے اور ان لوگوں کے حالات کو ان لوگوں کے واقعات کا پورا پورا نمونہ اور مثال سمجھنا چاہیے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ہمیشہ نظر بند رکھنے کی خاص ضرورت

ہم نے جہاں تک جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی نظر بندی اور حراست کے مسئلہ پر غور کیا ہے۔ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ مستعین کے وقت ہی سے آپ کے قتل و ہلاکت۔ ایذا رسانی اور آزار دہی کے سامان پر سامان ہو رہے ہیں اور انتظام پر انتظام کیے جاتے ہیں مستعین کے بعد معتز تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے بھی اس امر خاص میں اپنی پوری مستعدی دکھلائی۔ معتز کے بعد مہتدی آیا تو اس نے بھی یہی ارادہ اور یہی قصد دکھلایا مہتدی کے بعد معتمد کی اب نوبت آئی۔ تو حضرت سلامت ابتدا سے انتہا تک ویسے ہی سرگرم اور آمادہ بلکہ ان تمام لوگوں سے زیادہ مستعد اور تیار پائے جاتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے والد بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السلام بھی مادام الحیات نظر بند رکھے گئے اور آپ کی تمام عمر حراست و نظر بندی کے عالم میں ختم ہو گئی تاہم وہ حراست ایسی شدید نہیں پائی جاتی جیسی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی کیونکہ جب سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے سامرے میں اپنا علیحدہ مکان بنا لیا اس وقت سے آپ کا قیام اور سکونت آپ کی خاص دولت سرا میں خاص طور پر قائم ہو گئی اور آپ کے قیام کی شرائط اور قیود جو غیروں کے گھر میں رہنے کی تکلیف دہ حالت رہیں۔ ہاں اتنا اب بھی ضرور باقی رکھا گیا تھا کہ وہ لوگ جو خلافت کی طرف سے آپ کی حفاظت و حراست کے لیے نامزد ہوتے تھے وہ اپنے منصب کی جوابدہی کے خیال سے آپ کے حالات اور معاملات کو وقتاً فوقتاً آپ کی دولت سرا پر حاضر ہو کر اپنی آنکھوں سے آپ دیکھ جایا کرتے تھے اور جو دیکھتے تھے وہ خلیفہ کے گوشگزار کر دیا کرتے تھے۔

مگر بخلاف آپ کے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی نظر بندی اور حراست اور قید ایسی سخت اور شدید سمجھی گئی کہ آپ کو آپ کے والد بزرگوار کے ایسی آزادی اور آسائش کسی وقت نہیں دی گئی۔ آپ کبھی اپنے گھر میں رہنے کے لیے خلافت کی طرف سے ماذون نہیں کیے گئے اور نہ مادام الحیات ایسی آزادی آپ کو دی گئی۔ بلکہ آپ کی حراست اور نگہبانی بالکل حبس دائمی اور قید تنہائی کے طریقہ پر ہمیشہ ایک شخص خاص سے متعلق ہوتی تھی اور اس کو آپ کی ایذا دہی اور ضرر رسانی کے لیے تاکید پر تاکید ہوتی تھی جیسا کہ علی ابن یارمش۔ صالح ابن وصیف اور نحریر خادم کے واقعات سے اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

اب ہم کو اس مقام پر دکھلانا ہے۔ کہ خاص کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے معاملات میں خلافت عباسیہ کو ایسی سختی اور شدت کی کونسی ضرورت تھی؟ اگر تنہا مخالفت کے دائمی اور معمولی مسئلہ پر اعتبار کیا جائے تو بلحاظ مخالفت ان کے نزدیک جیسے حضرت امام علی نقی علیہ السلام ویسے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام۔ دونوں برابر اور دونوں مساوی۔ پھر اس تخصیص اور تفریق کی

انہی لوگوں کے ایّام سلطنت میں وہ پوری ہونے والی تھی۔ اس لئے اُن لوگوں کو اپنے وقت میں قدرت ربّانی کے ان امور کی مخالفت ضروری تھی۔ اس بنا پر جیسا کہ ہم مندرجہ بالا واقعات میں کافی تشریح و توضیح و تفصیل سے بیان کرتے اور دکھاتے چلے آئے ہیں کہ متوکل نے پہل کی۔ اُس کے بعد مستعین نے مستعین کے بعد معتز نے۔ معتز کے بعد مہتدی نے اور اب مہتدی کے بعد معتمد نے۔ اسی لیئے جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کو ہمیشہ سخت حراست میں رکھا۔ اس حراست سے ان لوگوں کا کیا مقصود تھا۔ ان کی کوتہ عقلی اور کج فہمی۔ ان کی ضلالت اور جہالت نے امتناع قدرت کے لئے یہ سوچ لیا تھا اور یہ تجویز کیا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک آپ کی کوئی اولاد موجود نہیں تھی۔ کہ آپ کو ایک جائے محفوظ میں تنہا قید کرنے سے آپ کے تاہل کی حالت کو تجرّد کے عالم سے بالکل بدل دیا جاوے۔ آپ کے متعلقین کو آپ سے کوئی واسطہ اور سروکار باقی نہ رہے۔ نہ آپ اپنی حراست کے مقام سے اپنے گھر تشریف لے جائیں اور نہ آپ کے پاس کوئی دوسرا شخص آنے دیا جائے۔ اس ترکیب سے جب تمام تعلق اور لوگوں کی قطعی آمدورفت بند کر دی جائے گی تو بارھویں حجّت اور خاتم امامت کا وجود دنیا میں کیسے قائم ہو سکے گا۔

یہی وساوس شیطانی تھے۔ جو ان ظالم ترین زمانہ سلاطین عباسیہ کے دماغوں میں آخر وقت پیدا ہوئے ان کے نظام کو نظام فرعون اور احکام نمرودی کی پوری مثال ثابت کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے آثار قدیمہ اور اخبار ماضیہ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت موسےٰ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السّلام کے نہ پیدا ہونے کے لئے بھی فرعون نے یہی دنیاوی انتظام کئے تھے اور اُس کے پہلے نمرود نے بھی جناب خلیل اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السّلام کے امتناع وجود کے لئے بھی ایسے ہی سامان اور ایسی ہی ترکیبیں سوچی تھیں۔ مگر ان عقل کے اندھوں کو کچھ نہ سوجھا۔ قدرت ربّانی اور مشیّت یزدانی نے ان کی ہزاروں اور لاکھوں حیلوں ترکیبوں کے مقابلہ میں اپنی ذات واحد کی طرح تنہا ہو کر اپنا تمام کام انجام کر لیا۔ اور آخر یہ نتیجہ نکلا کہ فرعون نے اُسی موسےٰ کو دس برس بلکہ اس سے بھی زیادہ زمانہ تک اپنی ہی گود میں پالا۔ اور اسی طرح باوجود اتنی مخالفت اور انکار کے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ کا وجود بھی خاص نمرود ہی کے زمانہ میں قائم ہوا یہ قائم ہوا۔ اور آپ بھی سترہ برس تک اُن لوگوں کے دامن اشفاق میں نہایت آزادی اور اطمینان سے پرورش پاتے رہے۔ جو اُس کی تمام سلطنت کے اراکین اور اُس کے بہت بڑے معتمدین یقین کئے جاتے تھے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

جب اُس قادر مطلق اور مدبّر برحق نے اپنی عملی صورتوں کو ابتدا ہی سے ایسا مستحکم اور لازوال ثابت کر دیا ہے۔ تو پھر اُس کے خلاف اس وقت کوشش کرنا انہی کیفر کردار اشخاص کا کام ہو گا۔ جو اُس کی عظمت و جبروت پر ایمان نہ لائے ہونگے اور اُس کے اسما و صفات کی معرفت سے بالکل بے بہرہ اور محروم ہونگے۔

اِس وقت کی تدبیریں بھی سابق کی ترکیبیں تھیں

بہر حال۔ جہاں تک سلاطین عبّاسیہ کے حالات پر غور کیا جاتا ہے اُن کے موجودہ معاملات انہی واقعات پیشین کی پوری نظیر اور کامل مثال پائے جاتے ہیں ان کو ہم ابھی ابھی تمثیلاً اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ آخر ان حضرات نے بھی قدرت ربّانی کے موجودہ اجرا کے لئے۔ اپنے امتناع کی

ترکیبیں جیسا کہ دعوے کیا جاتا ہے پیدا کیں بلکہ نہیں قرائن واقعات اور مشاہدات۔ اس کے ثبوت میں ایک نہیں کثرت سے موجود ہیں۔ اور وہ بتلا رہے ہیں کہ ان اسلام نما حضرات نے اپنی اس ضلالت اور کفر شعاری کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ اور اُن کے اظہار میں اپنے حتے المقدور اپنی کوشش کا کوئی طریقہ اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا اُن کی امتناعی تدبیروں میں کوئی تدبیر ایسی باقی نہیں چھوڑی جو اپنے حصول مقصود کے خیال موہوم میں عملی طریقے پر نہ کی گئی ہو۔

اس کی تفصیل میں ہم سلسلہ وار بتلائے دیتے ہیں اور لکھے دیتے ہیں کہ آپ کی پہلی حراست علی ابن یارش کی سپردگی میں دی گئی۔ اور اُس نے آپ کو اپنے مکان کے ایک علیحدہ اور تنہا حصہ میں نظر بند کرکے اپنے دو حبشی غلاموں کا پہرہ بٹھلا دیا۔ اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قید سے صرف قید اور حراست ہی مدنظر نہیں تھی بلکہ آپ کے تنہا قید کئے جانے سے اُن کا اصلی مقصود یہی تھا کہ تمام لوگوں کی آمد و رفت اور تعلق آپ کے ساتھ قطعی طور پر بند اور منقطع کر دئے جائیں۔ صالح ابن وصیف کی حراست کی باری آئی تو اُس شقی القلب نے بھی مہتدی کے حکم سے تمام لوگوں کی آمد و رفت عام ہے کہ اُن لوگوں کو آپ سے کوئی واسطہ اور تعلق ہو یا نہ ہو قطعی طور پر بند کر دی۔ صرف بنی عباس کے لوگ جن پر ان معاملات میں سوائے مخالفت اور مخاصمت کے ملائمت اور مساہلت کے اعتبار یا شبہے نہیں ہو سکتے تھے۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس کبھی کبھی آنے جانے کی اجازت پاتے تھے۔ چنانچہ صالح ابن وصیف کا واقعہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ وہ کتاب کافی میں انہی بنی عباسیوں کی زبانی مرقوم ہے۔ جو تماشے کے طور پر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات کو مجلسیں سلطانی میں دیکھنے گئے تھے۔

اسی سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی حراست اور نظر بندی کا معاملہ شدت اور سختی کے کس درجہ تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اور یہ تمام انتظام اور یہ تمام ترکیبیں صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ آپ کو ایک مکان مخصوص میں تنہا قید کر رکھنے سے۔ اور آپ کے ساتھ انسانی آمد و رفت اور میل جول کے تمام طریقے اور ذریعے بند کر دینے سے اُن کا اصلی منشا کیا تھا۔ ان تمام تجویزوں سے ان کا جو مقصود دلی تھا وہ وہی تھا۔ جو اوپر بیان کیا گیا۔ مگر مخالفین اور معاندین کی قسمتوں میں سوائے ناکامی اور بدنامی کے اور کچھ نہیں تھا۔ باوجودیکہ وہ اپنے حسابوں اپنی ان ترکیبوں سے بہت کچھ کر گئے۔ مگر جب اس مسئلہ کو حقیقت کی نظر سے دیکھا جا دے تو ثابت ہو جائیگا کہ وہ مشیت ربانی کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے۔ ایک بار نہیں کئی بار۔ ایک آدمی کے ذریعہ سے نہیں۔ مختلف لوگوں کے وسیلے اور مدد سے آپ کو سخت سے سخت قید میں رکھ کر یہ کوشش کی گئی کہ اسی ترکیب سے کھلا کھلا کر آپ کو قید تنہائی کی حالتوں میں مار ڈالنا چاہیئے۔ یا کم سے کم آپ کو مادام الحیات محض تجرد اور توحد کی حالت میں رکھنا چاہیئے۔ جس میں کسی طرح خدا کی اُس عظیم قدرت کا وجود قائم نہ ہونے پائے جس کی بشارت اُس کے حکم کے مطابق جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی گئی تھی موذی گھوڑے پر سوار کیا۔ خونخوار جانوران صحرائی اور آدم خوار درندوں کے بھرے جھنڈ میں یکہ و تنہا چھوڑ دیا۔ کہ کسی نہ کسی طرح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے وجود ذیجود کا خاتمہ جلدی سے کر دیا جائے اور خدائے سبحانہ وتعالے کی وہ مشیت ظاہر نہ ہونے پائے جو آپ کے صلب مطہر سے ظاہر ہونے والی

ہے۔ مگر اس قادر مطلق کی شان اور اُس حافظ برحق کی قدرت کہ اُن موذی جانوروں نے بھی اُس حجت الٰہی اور ودیعت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کیا۔ اور اپنی فطرت کے خلاف۔ اپنی خلقت کے برعکس۔ آپ کے ساتھ اپنی عقیدت اور ارادت کے وہ تعجب خیز اور حیرت انگیز طریقے دکھلائے جو دیکھنے والوں کے لئے سخت عبرت اور کامل حیرت کا باعث ہوئے۔ اور وہ حیوان مطلق اپنے موجودہ اُنس اور اخلاص کے طریقوں میں ان انسانوں سے بدرجہا بڑھ کر۔ اُن کی انسانیت اور بشریت کے لئے سخت خجالت اور ندامت کا اصلی سبب ہوئے اگر مخالفین کے دیدۂ حقیقت ذرا بھی کشادہ ہوتے تو وہ بھی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے خاص معاملات میں اپنے انسانی طریقوں کو اُن کے حیوانی طرز عمل سے مقابلہ کرکے اپنی حرکات شیطانی اور مشاہدات ربانی کا کامل طور سے احساس و ادراک کرسکتے تھے۔ مگر اتنا شعور کامل کہاں۔ اور اتنی عقل سلیم کس کو۔ نہ اُن میں اتنی صلاحیت تھی۔ اور نہ اتنی اہلیت۔ جو وہ ان امور کی اصلیت اور حقیقت کو جیسے وہ برای العین۔ ایک نہیں مختلف معاملات میں مشاہدہ کرچکے تھے۔ دیکھ کر کسی قسم کی عبرت اور ہدایت حاصل کرسکیں۔ یہاں تو جیسے جیسے ان مشاہدات ربانی کا مشاہدہ ہوتا جاتا تھا۔ ویسے ویسے اُن کا اصرار و انکار بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اور وہ کسی طرح اپنی مخالفانہ حرکتوں سے باز نہ آتے تھے اور برخلاف اس کے ہر دفعہ اور ہر بار اپنی مخالفانہ تدبیریں ناکامیاب اور محروم رہ کر ان امور سے قطعی دست بردار ہوجائیں۔ یا کم سے کم تھوڑی مدت کے لئے غافل اور خاموش نہ ہوجائیں وہ ان معاملات میں پہلے سے بھی زیادہ شدت اور سختی دکھلاتے تھے۔ اور اپنی خیال کردہ تدبیروں کو نہایت شدت اور عجلت سے ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

بہرحال۔ ہمارے اتنے طول وطویل اور پر تفصیل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے خلاف کامل چھ برس تک سلاطین عباسیہ نے آپ کی ایذا رسانی اور قتل وہلاکت کی جو جو تدبیریں کیں وہ صرف اسی وجہ سے تھیں کہ حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کا وجود بجود دنیا میں نہ قائم ہونے پائے۔ کیونکہ وہاں یہ غلط فہمی اعتقاد میں داخل ہوگئی تھی کہ آپ کی ولادت ابھی نہیں ہوئی ہے اور اگر حقیقت میں اُس وقت تک آپ کی ولادت باسعادت ہوئی بھی نہیں تھی۔ تو بھی ان لوگوں کی یہ تدبیریں اس وجہ سے برابر عمل میں لائی جا رہی تھیں کہ آپ کے متعلق جتنے اخبار و آثار کتب اسلامی میں پائے جاتے تھے اُن میں آپ کے وجود [illegible] قائم ہونے کے لئے کوئی خاص زمانہ معین طور پر بتلایا بھی نہیں گیا تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اسی خوف میں لگے رہتے تھے کہ نہیں معلوم کس وقت آپ کی ولادت واقع ہوجائے۔ تو اُن کی تمام محنتیں اور ساری کوششیں سرے سے بیکار ثابت ہوجائیں گی۔

مگر۔ نہیں۔ اُن کی یہ غلط فہمی اُن کے اصول عقاید کے بالکل خلاف ثابت ہوتی ہے کیونکہ خیال یہ سلاطین جس مسلک اور جس طریقے پر قائم تھے اُن کے نزدیک آپ کی ولادت باسعادت کا قرب قیامت واقع ہونا ثابت کیا جاتا تھا۔ اور قیام قیامت کا علم بحکم إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ سوائے خداوند عالم الغیب کے اور کسی کو نہیں تھا اور ایسی حالت میں اُن کی یہ غلط فہمی بھی سراسر جہالت تھی اور اُس کی بنا پر جو جو مخالفانہ تدبیریں وہ عمل میں لائے وہ بھی محض قبل از وقت اور فضول تھیں۔

ظاہری طور سے یہ اعتراض تو سلاطین عباسیہ کی غلط فہمی کو بتلا رہا ہے۔ مگر جب ہم اس مسئلہ کو

بنی عباسیوں کے خاص عقائد سے ملاتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اپنے اصول مذہب کیسا تھ ہی اس مسئلہ خاص میں ایک خصوصیت بھی ضرور حاصل تھی۔

اس میں شک نہیں کہ سلاطین عباسیہ جس ظاہری طریق پہ قائم تھے یا اُن کے ممالک محروسہ میں جس شریعت کے فتوے جاری تھے۔ اُن کے عقاید، تحقیق اور احکام کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت کے ایام قریب قیامت تھے۔ جو ابھی ابھی اوپر لکھے گئے۔

مگر بااین ہمہ ہم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بنی عباس سنو برس پیشتر کس قوم اور کس قبیلے میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور منصور دوانیقی کے پہلے ان لوگوں کے عقائد اور مسالک کیا تھے۔ اور کیسے تھے جن لوگوں نے عباسیوں کے حالات کو پورے طور سے پڑھا ہے وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ منصور دوانیقی سے پہلے ان لوگوں کا شمار بالکل بنی ہاشم اور بنی فاطمہؑ کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور فیمابین اخلاص و اتحاد کی یہ صورت قائم تھی کہ مشکل سے دنیا کے لوگ اُن میں کوئی تخصیص یا تفریق محسوس کر سکتے تھے۔ یہ عقائد میں بالکل حضرات اہلبیت علیہم السّلام کے ہمکلام اور ہمزبان تھے۔ ان کے تمام شعار او طریقے وہی تھے جو حضرات بنی فاطمہ علیہم السّلام کے۔ ان کے علوم۔ ان کی جامعیت اور استعداد۔ جو کچھ تھی اُس کی تحصیل اور تکمیل کا مرکز حضرات اہلبیت علیہم السلام تھے۔ احکام دینیات اور قصص ماضیہ و آیندہ کے متعلق انہوں نے جو کچھ معلوم کیا تھا وہ سب انہی حضرات علیہم السّلام سے۔

چونکہ اس آخر حجّت الٰہی کا وجود خاص طور پر حضرات اہلبیت علیہم السّلام کے دائرہ سے متعلق تھا۔ اور سوائے اس مقدس طبقہ کے دنیا کی کسی قوم و قبیلے میں جناب قائم آل محمّد علیہ السّلام کی ولادت باسعادت کا ہونا محال بتلایا گیا تھا۔ اس لئے یہ مبارک بشارت اس مقدس طبقہ میں ہمیشہ ایک خاص شرف اور مفاخرت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اور اُس کی معتبر اور مستند اسناد کے تمام طریقے نہایت حفاظت اور ہوشیاری سے سلسلہ بہ سلسلہ اور سینہ بہ سینہ محفوظ رکھے جاتے تھے۔

یہ ایسی باتیں تھیں۔ اور یہ ایسے امور تھے جو سادات کرام علیہم السّلام کے تمام مقدس دائرہ میں اور نیز اُن حضرات کے سلسلہ میں جو ان سے قرابت اور عزیزداری کا شرف رکھتے تھے۔ ہمیشہ اور ہمہ دم پیش نظر رہا کرتے تھے۔ اور اُن میں سے ہر شخص۔ عام اس سے کہ وہ ضعیف العمر ہو۔ جوان ہو یا بچہ۔ ان امور کو اپنے خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کی مفاخرت اور شرف کا اصلی مایا یقین کرکے اپنے دل میں ہمیشہ محفوظ رکھا کرتا تھا۔ اور اس پر اپنا پورا یقین اور کامل اعتقاد رکھتا تھا۔

ہم نے جہاں تک اس خاص مسئلہ کی نسبت بنی عباسیوں کے عقائد کی تحقیق کی ہے۔ ہم کو یہ امر پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے کہ سلاطین عباسیہ کے طریق اور مسالک اگرچہ موجودہ زمانہ میں طریقہ اہلبیتؑ سے بالکل بدل گئے تھے۔ مگر اس مسئلہ خاص میں وہ ابھی تک اپنے آبائی طریقہ اور موروثی مسالک پر قائم تھے۔ اور جناب قائم آل محمّد علیہ السّلام کے وجود کے متعلق اُن کے اب تک وہی عقائد تھے جو عموماً تمام سادات بنی فاطمہ علیہم السّلام کے تھے۔ اور وہ اس خاص امر میں آج تک انہی اخبار و آثار پر قائم تھے۔ جو اُن کو اہلبیت طاہرین علیہم السّلام کے معتبر اسناد سے پہنچے تھے۔ چنانچہ ہمارے اس بیان کی تصدیق منصور کی اُس تقریر سے ہوتی ہے جو اُس نے حضرت قائم آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کے وجود ذیجود اور اُن کے ظہور پر نور کے متعلق [illegible] سے

بیان کی تھی۔ وہ یہ ہے۔

سیف ابن عمرہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن منصور کے پاس گیا۔ وہ وقت اُس کی خاص خلوت کا تھا بغیر کسی تحریک کے منصور مجھ کو مخاطب کرکے کہنے لگا کہ اے سیف ابن عمرہ۔ ایک دن دنیا میں ایسا ضرور آنے والا ہے جس دن آسمان سے ایک ندا کرنیوالا جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السّلام کی اولاد میں سے ایک شخص کی سلطنت اور حکمرانی کی منجانب اللہ ندا کرے گا۔ میں نے کہا کہ ہاں مجھے آپ کے فرمانے پر اب خیال ہوتا ہے کہ میں نے بھی کسی شخص سے اس حدیث کو سُنا ہے منصور نے کہا کہ اگر تمہارے نزدیک میری باتوں کا کچھ بھی وثوق اور اعتبار ہے تو سمجھ لو کہ میں تم سے اس وقت اپنے اُس پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضۂ اختیار میں میری حیات مستعار ہے کہ میں نے بھی اس خبر کو اُس شخص سے سُنا ہے جس سے مجھے یقین ہے کہ تم نے بھی ضرور سُنا ہوگا۔ اور وہ شخص مجھ سے بیان کرتا تھا کہ ایسا وقت ایک نہ ایک دن ضرور آنے والا ہے کہ ایک منادی آسمان سے ندا کرے۔ میں نے کہا اے امیر مجھے پورا خیال نہیں ہے کہ میں نے اس حدیث کو کس سے سُنا ہے۔ منصور نے کہا کہ اے سیف یقین رکھو کہ جب ایسا وقت آیا تو تمام دنیا کے لوگوں میں میں ہی پہلا شخص ایسا نکلوں گا جو سب سے پہلے اس ندا کرنے والے کی دعوت کو قبول کرے گا۔ کیونکہ یہ دعوت جس بزرگ کی بیعت اور اطاعت کے لئے ہوگی وہ میرے ابن عم سے ہوگا یہ سُن کر میں نے کہا کہ آپ کے ابن عم تو اکثر لوگ ہیں۔ آپ کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے کس ابن عم کو یہ افتخار حاصل ہونے والا ہے منصور نے کہا کہ یہ شرافت اور فضیلت سادات بنی فاطمہ میں ایک بزرگوار کو حاصل ہونے والی ہے۔ اے سیف

اگر میں اس حدیث کو جناب امام محمّد باقر علیہ السلام کی زبانی نہ سُنے ہوتا۔ اور آپ کے سوا ساری دنیا کے لوگ اس خبر کو مجھ سے کہتے اور مجھ کو اس کی بشارت پہنچاتے تو میں کبھی اس کو قبول نہ کرتا۔ لیکن چونکہ میں نے اس کو حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام کی زبانی سن لیا ہے۔ اس لئے اب مجھے اس کی صداقت اور صحت میں کوئی کلام اور عذر باقی نہیں ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ عباسیوں کی معلومات اس مسئلہ خاص میں عام اہل اسلام سے زیادہ وسیع تھی۔ اور اس وقت چاہئے وہ لوگ اس کے خلاف کرنے والے کیوں نہ ثابت ہوتے ہوں۔ مگر منصور کے وقت تک تو وہ ضرور ان عقائد میں حضرات اہلبیت علیہم السلام کے شریک تھے جیسا کہ منصور کے اقرار سے ہویدا اور آشکار ہوتا ہے طرفہ تو یہ ہے کہ منصور ہی کے وقت سے بنی عباس اور بنی فاطمہ کے درمیان خلاف عقائد کے آثار بھی قائم ہوگئے۔ مگر اس خاص مسئلہ میں جہاں تک اُس کی تقریر سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس وقت تک اسپر اپنا پورا عقیدہ اور خالص یقین رکھتا تھا تب تو اُس کے یہ عقیدے تھے اور دعوے کہ اس بیعت کا کرنے والا اور اس دعوت کا قبول کرنے والا دنیا بھر میں سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں گا۔

بہرحال۔ اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ بنی عباس اس واقعہ کی ماہیت اور اصلیت سے کما حقہٗ آگاہ تھے اور اس کی حقیقت کا اُن کو پورا علم تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ انہوں نے تو ان اخبار و آثار کو اُن کے مرکز اصلی سے اخذ کیا تھا۔ وہ عام اہل اسلام کی طرح اس مسئلہ میں مشتبہ یا مذبذب نہیں تھے۔ اور اس کو عموماً یقینی صریحی اور بدیہی جانتے تھے۔ اور گیارہ اماموں کی سلسل امامت تمام ہوجانے کے بعد بارھویں امام علیہ السّلام کے وجود کے قائم

ہونے کو وہ ضرور تسلیم کرتے تھے۔ اس وقت بھی
اس مسئلہ خاص کے متعلق ان کے اعتقاد اور یقین
کی وہی حالت تھی جو منصور کی۔ اگرچہ جس طرح منصور
بھی اہلبیت علیہم السلام سے خلاف ہو کر عامۃ الاسلام
کے احکام و فتاوے کا قائل تھا۔ مگر اس خاص
مسئلہ میں وہ اہلبیت علیہم السلام کا دامن تھامے
تھا۔ اور اسی طرح اس کی ذریات موجودہ بھی۔ اگرچہ
احکام شریعت میں عامۃ الاسلام کے فتاوے
کی عموماً مقلد تھی۔ مگر اس مسئلہ خاص میں وہ لوگ
بھی حضرات اہلبیت علیہم السلام کے ہمخیال اور
ہمزبان تھے۔ مگر ہاں۔ ان کے اور منصور کے
عقائد میں جو فرق تھا وہ یہی ہے کہ منصور کے
اعتقاد اس خاص مسئلہ میں جہاں تک تحقیق کی
گئی ہے۔ مخالفت۔ حسد اور نفسانیت کی نیت
سے نہیں تھے۔ بلکہ اس کی تقریر سے اس کے
پورے خلوص واتحاد کا کامل اظہار ہوتا ہے بخلاف
اس کے اس کی موجودہ ذریت کو اس مسئلہ کا
علم تو یقینی طور پر ضرور تھا۔ مگر اس میں کوئی خصوصیت
اور خلوص کا اثر نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس
ان کی کوشش یہ ہو رہی تھی کہ چونکہ یہ امر یقینی طور
پر ہونے والا ہے کسی طرح ظہور پذیر نہ ہو۔ اور اس
طریقہ سے اہلبیت علیہم السلام کے متعلق یہ قدیم
بشارت جو تمام اہل اسلام میں مدت سے شائع
اور ذائع ہے۔ غلط ثابت ہو جائے۔ جو انکا اصلی
مقصود تھا وہ یہی تھا۔ اب ایک دریافت کرنیوالا
نہایت آسانی سے منصور اور اس کی موجودہ نسل
کے اختلاف عقائد کو سمجھ سکتا ہے۔

بہرحال ہم اپنے سابق بیان کی تصدیق
میں اتنے مفصل اور مکمل ثبوت پہنچا کر اپنے موجودہ
سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ان واقعات
دلائل اور قرائن کو دیکھکر اور پڑھ کر ہر شخص نہایت
سہولت سے سمجھ جائیگا کہ جناب امام حسن عسکری
علیہ السلام کے ساتھ سلاطین عباسیہ کو ایسی سخت
مخالفت اور شدت سے پیش آنے کی جو ضرورت تھی
بس یہی تھی۔ کیونکہ جس شاہد ربانی کو اس کے ظہور
کے ظہور سے یہ لوگ روکنا چاہتے تھے۔ وہ جناب
امام حسن عسکری علیہ السلام ہی کی مبارک صلب
سے پیدا ہونے والا ہے۔ جیساکہ اوپر بیان ہو چکا
ہے۔ اپنی انہی مخالف ضرورتوں سے مجبور ہو کر
ان لوگوں نے اپنی مخالفت کی یہ ترکیبیں اور تدبیریں
انواع واقسام کی صورتوں میں دکھلائیں۔ مگر ان
میں کوئی بھی مفید کار ثابت نہ ہوئی۔ مہتدی، مستعین
موفق۔ معتز باللہ۔ یہ چاروں کے چاروں اسی حسرت
و تمنا میں مرگئے۔

اب ان لوگوں کے بعد معتمد کا دور دورہ شروع
ہوا۔ تو یہ بھی فوراً ان چاروں کے بعد۔ پانچویں سواروں
میں داخل ہو گیا۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
کی ایذارسانی۔ زحمت دہی۔ قید۔ قتل اور ہلاکت
کے متعلق اپنی مخالفانہ کوششوں کا کوئی دقیقہ اٹھا
نہیں رکھا۔ اپنے خاص غلام نحریر کو آپ کی قید
تنہائی پر معین کیا۔ اور اس نے آپ کو اس قید تنہائی
میں ایسا ایسا ستایا کہ اور تو اور اس کی خاص بی بی
دیکھا نہ گیا۔ وہ اپنے شوہر کو اس کے مظالم کی نسبت
نصیحت اور فضیحت کرنے لگی۔ جیساکہ اوپر بیان ہو چکا
ہے۔ مگر اس پر بھی شقی القلب نحریر کے مظالم کم نہ
ہوئے اور معتمد کی شدت اور سختی میں نرمی نہ آئی۔ مردم خوار
جانوروں میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
چھوڑ دیا گیا۔ مگر الحمد للہ۔ وہاں سے بھی آپ با
بال بچ آئے۔ جیساکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ اب
معتمد کو آپ کے مؤید بتائید ربانی اور مشرف بتشریف
یزدانی ہونے کا پورا اعتماد و اعتقاد ہو جانا چاہیے
مگر وہ محروم ازلی ایسا کیا تھا کہ ان مشاہدات کی

میں بھی آپ کے ساتھ کوئی رعایت یا مروت قائم رکھ سکتا۔

بہر حال۔ جب ان تمام ترکیبوں سے وہ بالکل مایوس ہو گیا تو اُس نے اب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو اپنے خاص محبس میں نظر بند کیا۔

جناب امام حسن عسکری ع م اور معتمد کی خاص حراست

معتمد نے آپ کے لئے اپنے ایوان شاہی کے ایک گوشہ کو محبس اور قید خانہ قرار دیا جو اس کی خاص خلوت سے ملا ہوا تھا۔ معتمد کو اس اہتمام سے یہ منظور تھا کہ آپ کی نگرانی ذاتی طور پر کیجا ئے۔ اور شبانہ روز آپ کے تمام حالات اور عادات کا معائنہ بطور خود عمل میں لایا جائے۔ اس انتظام اور اہتمام سے بیرونی استمداد و استعانت کے تمام وسائل اور ذرائع منقطع اور مسدود ہو جائیں گے۔ اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے لئے وہ باتیں ہرگز میسر نہیں ہوں گی جن کی مفاخرت اور فضیلت کے لئے اُن کی ذات بابرکات تمام اہل اسلام میں مخصوص طور پر مشہور بتلائی جاتی ہے۔

جہاں تک اس قید شدید کے حالات دریافت کئے گئے ہیں یہ ثابت ہوا ہے کہ اس قید و نظر بندی کی مصیبتیں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی پہلی حراست اور گرفتاری سے کہیں زیادہ قیامت خیز اور درد انگیز تھیں۔ آپ کا موجودہ محبس جس میں آپ تنہا قید کئے گئے تھے ایک گوشہ محل تھا جو قصر شاہی کے بائیں حصہ میں واقع تھا جس میں ایک دروازے کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی۔ نہ کوئی روزن تھا جس سے آفتاب کی روشنی کافی طور پر پہنچ سکے۔ اور نہ کوئی روشندان تھا جس کے ذریعے سے صاف ہوا اُس میں داخل ہو سکے اور زمین کے بخارات آسانی سے خارج ہو سکیں تاوقتیکہ وہ تنہا دروازہ نہ کھولا جائے۔ اُس مکان تیرہ و تار میں روشنی اور ہوا کا گزر نہیں ہو سکتا تھا اور اوقات معینہ کے علاوہ اس دروازے کا کھولا جانا بھی آپ کے لئے ایسا ہی دشوار تھا جیسے اس قید شدید سے آپ کی مخلصی اور رہائی۔

اصل میں یہ مقام سلاطین عباسیہ کے خطروں کے خاص خاص وقتوں میں چھپ رہنے یا دشمن سے آنکھ بچا کر نکل جانے کے لئے خاص طور پر بنایا گیا تھا۔ اور ایسے وقتوں میں جب وہ کسی حریف کے پنجہ میں اگر گرفتاری کے بالکل قریب آجاتے تھے اُس وقت اس سرداب میں آکر چھپ رہتے تھے۔ اور یہاں اُن کے چھپ رہنے کا کسی تلاش کنندہ کو گمان یا شبہہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور پھر موقع پاکر اپنے بہی خواہوں کے ذریعہ وہ یہاں سے نکل کر کسی دوسری عافیت اور امن و امان کی جگہوں میں چلے جاتے تھے۔

اصل میں یہ مقام انہی ضرورتوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ جس کو اس وقت معتمد نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے لئے محبس قرار دے لیا۔ شبانہ روز میں آپ کو دو روٹیاں اور آب گرم کے صرف دو کٹورے دئے جاتے تھے۔ اور پھر کچھ نہیں۔ آپ کا قوت لایموت یہی تھا۔ اس سے زاید ایک دانہ یا ایک قطرہ کا پہنچایا جانا آپ کے لئے ممکن نہیں تھا۔ آپ کے پاس کسی اور کا آنا جانا کیسا معتمد کے خاص ملازم اور حواشی بھی بغیر اُس کی اجازت کے نہیں جا سکتے تھے۔ اس محبس کی کنجی خاص معتمد کے پاس رہتی تھی۔ اور وہ اوقات مقررہ پر آکر اپنے خادموں کے ذریعہ سے دونوں وقت آپ کی غذا پہنچا دیا کرتا تھا۔ اور پھر مقفل کرکے اپنے مقام کو واپس آجاتا تھا۔

ہم نے جہاں تک آپ کی اس قید شدید کی مثال کی تشبیہ دی گئی ہے۔ آپ کی موجودہ حراست گرفتاری

کی پوری مثال۔ آپ کے جدّ بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات سے بالکل ملتی ہے۔ آپ کی ابتدائی قید کی مصیبتیں بھی بالکل ایسی ہی گزری ہیں۔ عیلے نے بصرہ میں رکھ کر آپ کی آزار دہی اور ایذا رسانی کے متعلق پہلے ایسے ہی انتظام کئے تھے مگر جس طرح عیلے کے لئے اُس کے موجودہ انتظام اُس کی ہدایت اور رشادت کے باعث ہوئے اُسی طرح مشاہدات ربّانی نے معتمد کی تنبیہ کے بھی سامان فراہم کئے۔ مگر عیلے تو ان مشاہدات سے متوثر ہو کر اپنی حرکات سے تائب ہوا۔ اور یہ شقی القلب اتنے آثار ربّانی کو برأی العین دیکھ کر بھی اپنے لئے کوئی عبرت اور ہدایت حاصل نہ کر سکا ہم اس کی پوری کیفیت بہت جلد ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت امام حسن عسکری عم کی مختصر حدیں اور بنیایں

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام دو برس کامل اس قید شدید میں مبتلا رہے۔ رات دن کی زحمت۔ قید تنہائی کی مصیبت۔ اہل و عیال کی ناگوار فرقت سہتے سہتے۔ ایسے ضعیف اور لاغر ہو گئے تھے کہ غیر تو غیر۔ روزانہ ساتھ کے بیٹھنے والے اور ایک مدّت سے آپ کی رفاقت میں حاضر رہنے والے بھی آپ کو آپ کی موجودہ حالت میں دیکھ کر پہچان نہیں سکتے تھے۔ باوجودیکہ سنّ مبارک ابھی کل چوبیس ۲۴ برس کا تھا۔ گویا پورا شباب تھا۔ مگر یہ کوفت۔ یہ صدمات برداشت کر کے آپ کی موجودہ ضعف و نقاہت پیر ہفتاد سالہ کے ضعف و اضمحلال سے ہرگز کم نہیں تھی۔

معتمد بعض بعض وقت اپنے خاص خاص ہوا خواہوں کے ساتھ اپنے انتظام کی سختی اور اپنے بندوبست کی درشتی دکھلانے کے لئے اُس محبس کی طرف آنکلتا تھا۔ اور ان لوگوں کو آپ کے پُرحسرت اور حیرت خیز حالات کی سیر کراتا۔ یہ ظلم پسند جماعت اور جفا پیشہ قوم بھی اپنی ذاتی شرارت اور اپنے امیر کی خوشنودی اور خوشامد کی ضرورتوں سے آپ کے موجودہ حالات پر آپ کو زد و در زد طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔ اور آوازوں پر آوازے کسا کرتے تھے۔ قہقہے لگاتے تھے۔ اور طرح طرح کی ایسی گستاخیوں اور بے ادبیوں کا اظہار کرتے تھے جو ہر طرح اُس حجّت الٰہی اور ودیعت حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آداب خدمت کے سراسر خلاف ہوتی تھیں۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام ان کی تمام تعریضوں پر اپنی مظلومیت۔ غربت اور صبر و رضا کی پوری شان دکھلا کر خاموش رہ جاتے تھے۔ اور اپنی زبان مبارک سے کچھ نہ فرماتے تھے۔

جناب امام حسن عسکری عم اور عالم نصرانی

ابھی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے مصائب کی یہی حالت تھی اور معتمد کی مخالفت اور مخاصمت کی وہی کیفیت کہ اسی اثنا میں قادر مطلق کی قدرت اور حافظ برحق کی مشیّت نے معتمد کو اس کے خواب غفلت سے چونکا دینے کے پورے سامان پیدا کر دئے اس تمہید کی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بغداد میں تین برس سے قحط سالی کی سخت شکایت تھی۔ اور ہر طبقہ کے لوگ سختی اور مصیبت سے اپنی گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں ایک نصرانی عالم نے پانی برسانے کا خاص معجزہ دکھلا کر سارے اہل اسلام کے عقاید میں سخت انقلاب اور فساد پیدا کر دیا۔ اور اُس کی روحانی قدرت اور کرامت کو دیکھ کر دنیا کی دنیا اُس کی متابعت اور فرمانبرداری کو اپنی مغفرت اپنی نجات اور اپنی دائمی رستگاری کا باعث سمجھنے لگی۔ تمام شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اور ہر طبقے۔ ہر قوم اور قبیلے میں غوغا پڑ گیا۔

رفتہ رفتہ اس کا ذکر عوام سے ہوتا ہوا خواص

میں پہنچا۔ اور خواص سے بڑھتا ہوا اس کا تذکرہ معتمد
کی صحبت میں ہوا۔ وہ بھی یہ معاملات سُن کر سخت حیرت
اور تعجب کی حالتوں میں گرفتار ہوگیا۔ اور وہ بذاتِ خاص
ان معاملات کے امتحان اور آزمایش کے لئے تیار
ہوگیا۔ اور اُس مرد نصرانی کو اپنے دربار میں بلا بھیجا
وہ بے عذر چلا آیا۔ اُس کے آتے ہی خلائق کا بیشمار
ہجوم اس کے اعجاز و کرامت کے مشاہدہ کے
لئے جمع ہوگیا۔ معتمد نے اس شخص سے پانی برسانے
کی درخواست کی۔ اُس نے بلا تامل اپنے تجربہ اور
عمل کے مطابق کچھ زیر لب پڑھا۔ بعد اس کے اپنے
دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کچھ دعا اور
اسما پڑھے۔ اُس کا پڑھنا تھا کہ تیرہ و تار ابر آسمان
پر محیط ہوا اور تا شام برستا رہا۔ اور ایسا موسلا دھار پانی
برسا کہ جل تھل بھر گئے۔ اور مشکل سے حاضرین کو پانی
سے بچنے اور چھپنے کے لئے کافی جگہ ملی۔
اب تو معتمد کو بھی اُس نصرانی کے اعجاز و کرامات
کا اگر نہیں تو مستجاب الدعوات ہونے کا ضرور معتقد
ہونا پڑا۔ کیونکہ جس اعجاز اور کرامت کی اُس نے
اُس سے درخواست کی تھی وہ اُس نے اُس کی
پوری خواہش کے مطابق اُس کو دکھلا دیا۔ تو اب
اُس کو اُس کی متابعت اور اطاعت اختیار کرنے
میں کیا عذر اور کیا انکار ہوتا۔
معتمد پر منحصر نہیں۔ بغداد کے بڑے بڑے اچھے
اچھے علمائے جو اسلام کے مختلف فرقوں کے پیشوا
اور امام کہلاتے تھے وہ بھی لغزش اور جنبش میں آگئے۔
اور اُس کے ایسے عجیب و غریب تصرف فی القدرت
کو دیکھ کر اپنے عقائد میں ہل گئے۔
خیر معتمد نے اُس وقت تو اُس مرد نصرانی کو چول
چوں کرکے ٹال دیا۔ مگر اُس کے سامنے تمام زمانے
اُس مرد نصرانی کی کرامت اور خلیفۂ اسلامی کے
عجز و منقصت کا پورا اندازہ کر لیا۔ اسلام کا موجودہ

خلیفہ جو تمام طریقوں سے ثابت تھا اور وصی رسول اللہ
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مانا جاتا تھا۔ اس عالم
کے قائل کرنے اور جواب ثابت کرنے کے لئے کوئی
دلیل اپنی طرف سے قائم نہ کرسکا۔ اُس نے اس
امر خاص میں خود بھی غور کامل کیا۔ اور اُس کے ہمکلام
سے اُس کے ساتھ ہی اسلام کے بڑے بڑے کامل
اور جید علما اور صاحبان عقل و شعور نے اس کی نسبت
لاکھ لاکھ فکر کی۔ مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔
جب معتمد کو ہر طرف سے مایوسی ہوگئی۔ تو آخر کار
اُس کو اُس حجت الٰہی کی طرف اپنی استدعا اور اپنی
التجا لیجانے کی مجبوری ہوئی جس کو وہ اس زمانے میں
ذلت اور حقارت سے قید میں رکھ کر طرح طرح کی ایذا
اور تکلیف پہنچا رہا تھا۔
یہ واقعہ باعتبار صداقت کے مشہور اور متواتر
کیا۔ ان حدود و محدودہ سے بھی کچھ بڑھا ہوا ہے
اور فریقین کے علمائے اس کو مختلف کتابوں میں
اپنے اپنے معتبر اور مستند اسناد کے ساتھ لکھا ہے
مگر ہم اس مقام پر اس واقعہ کو صواعق محرقہ کی
عبارت سے لکھتے ہیں۔
ولما حبس قحط الناس بسر من رای قحطاً
شدیداً۔ فامر الخلیفه المعتمد ابن متوکل
بالخروج للاستسقاء ثلاثة ایام فلم یسقوا
فخرج النصارٰی ومعهم راهب کلما مدیده الی
السما هطلت ثم فی یوم الثانی کذالک
فشک بعض الجهلة وارتد بعضهم فشق ذالک
علی الخلیفة فامر باحضار الحسن الخالص
علیه السلام فقال ادرك امة جدك
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
قبل ان تهلك فقال الحسن یخرجون غداً
وازیل الشك ان شاء اللہ تعالی وکلم الخلیفة
فی اطلاق اصحابه من السجن فاطلقهم له

فلمّا اخرج النّاس للاستسقآء رفع الرّاهب
یدہ مع النّصارٰی غیمت السّماء فامر الحسن
علیہ السّلام بالقبض علی یدہ فاذا فیہا عظم
ادمی فاخذ من یدہ وقال استسق فرفع یدہ
فزال الغیم وطلعت الشّمس یعجب النّاس
من ذٰلک فقال الخلیفۃ للحسن علیہ السّلام
ما ھٰذا یا ابا محمّد فقال ھٰذا عظم نبیّ ظفر بہ
ھٰذا الرّاھب من بعض القبور ما کشف
عن عظم النّبیّ تحت السّمآء الا ھطلت
بالمطر فامتحنوا ذٰلک العظم فکان کما
قال وزالت الشّبہۃ عن النّاس ورجع
الحسن علیہ السّلام الی دارہ ارجح المطالب
ص ۴۷۰ - لاہور

جب آپ (حضرت امام حسن عسکری علیہ
السّلام) سامرہ میں قید ہو گئے۔ تو لوگوں میں قحط
شدید پڑ گیا۔ خلیفہ معتمد بن متوکل نے لوگوں کو تین
دن کی نماز استسقا کے واسطے حکم کیا۔ اور شہر سے
باہر جا کر اعمال استسقاء بجا لانے کا فرمان دیا لیکن
تاہم مینہ نہ برسا۔ عیسائیوں کا گروہ بھی شہر سے باہر
نکلا۔ ان میں ایک راہب بھی تھا جب اس نے
آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے بارش ہونے
لگی۔ دوسرے روز بھی اسی طرح سے ہوا۔ بعض
جاہلوں کو شک ہو گیا۔ اور دین و ایمان سے برگشتہ
اور مرتد ہونے لگے۔ خلیفہ پر یہ بات نہایت شاق
گزری حسن خالص علیہ السّلام کو بلا کر کہا کہ اپنے
جدّ امجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی امّت
کی دستگیری فرمائیں قبل اس کے کہ وہ ہلاک ہو جائیں
جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام نے فرمایا لوگوں
کو چاہیئے کل شہر سے باہر نکلیں۔ انشاء اللہ میں
اُن کے شکوک زائل کر دوں گا۔ خلیفہ نے امام
علیہ السلام کے تمام اصحاب کو قید خانہ سے نکال

دینے کا حکم دیا۔ وہ سب رہا کر دیئے گئے۔ ج
نماز استسقا کے لئے شہر سے باہر نکلے تو را
نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے۔ بادا
ہو گیا حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام
راہب کے ہاتھ پکڑ لینے کا حکم دیا۔ اس میں ا
آدمی کی ہڈی پائی گئی۔ آپ نے وہ ہڈی اس
ہاتھ سے لے لی اور کہا کہ اب تو بارش طلب کر
نے ہاتھ اُٹھایا۔ ابر کھل گیا آفتاب نکل آیا
اس سے نہایت متعجب ہوئے۔ خلیفہ نے جنا
امام حسن عسکری علیہ السّلام سے عرض کی ا
ابا محمّد یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کسی نبی اللہ (صلے
علے نبینا و آلہ وعلیہ السّلام) کے جسم مبارک
ہڈی ہے۔ جو کسی قبر سے اس راہب کے
لگ گئی ہے۔ اور نبی کے جسم مبارک کی ہڈی کی
خاصیت ہے کہ جب آسمان کو برہنہ کر کے دکھ
جاوے۔ فوراً ابر پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اُس
امتحان کیا گیا۔ ویسا ہی پایا گیا جیسا کہ امام حسن
عسکری علیہ السّلام نے فرمایا تھا۔ لوگوں
شبہ مٹ گیا۔ امام علیہ السّلام اپنے دولت
پر واپس گئے

بہر حال۔ جو صورت واقعہ ہم نے اوپر لکھی ہے۔
وہ صواعق محرقہ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ علماء
اہل بیت رضوان اللہ علیہم نے اس واقعہ میں
اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ ان تمام معاملات کے
حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام نے پہلے دو
رکعت نماز پڑھی۔ پھر آسمان کی طرف دست مبارک
اُٹھا کر باران رحمت کے لئے دعا مانگی۔ ابھی دست
مطہر اپنے مقام ہی پر تھا کہ ابر کے ٹکڑے آسمان پر دکھائی
دینے لگے۔ ایک ساعت کے بعد وہ ٹکڑے ابر پھیل
پھیل کر تمام آسمان پر محیط ہو گئے۔ اور دل پر دل آنے
لگے۔ اور ابر برسے اور ابر برسنے کا عالم ہو گیا یہاں تک

کہ بھیگ جانے کے خوف سے ہر شخص وہاں سے چلنے پر مستعد ہو گیا۔ یہ دیکھکر آپ نے ان لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ یہ ابر تمہارے ملک کا نہیں یہ فلاں علاقہ میں جائے گا۔ اور پانی برسائیگا۔ غرض اسی طرح ایک کے بعد دوسرے بادل برابر آتے گئے اور لوگ بھیگ جانے کے خیال سے گھبراتے گئے۔ اور آپ اُن کی تسکین و تشفی فرماتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک سیاہ اور تیرہ و تار ابر اخیر میں آیا۔ اور چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔ اسے دیکھکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تمہارے اطراف کا یہی ابر ہے۔ اب تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ نہیں تو بھیگ جاؤ گے چنانچہ تمام لوگ اُس مقام سے واپس آئے اور وہ ابر اس زور و شور سے پہروں برستا رہا کہ بارش کی بالکل ضرورت نہ رہی اور اُس عالمگیر قحط کی تمام شکایت رفع ہو گئی۔

بہرحال۔ اس اضافہ کی نسبت ہم کو یقین ہے کہ علمائے اہل سنت نے اُسے خاصکر اپنی تالیفات میں قلمبند کرنے کی مصلحت نہیں سمجھی ہے۔ اور حضرت ائمۂ معصومین علیہم السلام کے اظہار فضائل و مناقب کے خاص مقامات پر انہیں اپنی ان مصلحتوں کے قائم کرنے کی ضروری مجبوری پیش ہو جایا کرتی ہے۔ مگر تاہم اگر ہم اس اضافہ کو قابل الذکر نہ سمجھیں تو صورت مجرفہ کے واقعہ سے پورے طور پر محقق ہو جاتا ہے کہ عین قحط شدید کے زمانے میں۔ جب مرقوم اور قبیلے کے لوگ پانی کے متمنی ہو رہے تھے۔ اور سارے ملک میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ تو عین اُن کی موجودہ ضرورت کے وقت ایک راہب نصرانی نے اپنی تدبیر کو عملی صورت میں لاکر تمام اہل اسلام کو ایک سخت تہلکہ میں ڈال دیا تھا۔ جس سے اُن کی نجات اور مخلصی کی کوئی امید نہیں تھی۔ اگر انصافاً دیکھا جائیگا۔ تو تا وقتیکہ اُس کے موجودہ تدبیر و حیلہ کی حقیقت نہ معلوم ہوتی تو اہل اسلام کیا کسی مذہب اور طریق کا آدمی اُس کے پانی برسانے کی کرامت و اعجاز سے جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ کبھی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

اگر دنیا کے دیدۂ بصیرت وا اور چشم حقیقت کشادہ ہوں تو وہ اب بھی حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اُن فضائل و مراتب کو کامل طور سے دیکھ لیں۔ سمجھ لیں اور یقین کر لیں۔ کہ جن نفوس قدسی برکت کو تم نے بالکل بیکار اور بے ضرورت فضل و کمال سے خالی۔ تمدن و تدبیر سے عاری سمجھ کر بالکل لا وجود تسلیم کر لیا ہے۔ اور اُن کی گئی گزری حالتوں پر چھوڑ دینا بھی نہ پسند کر کے۔ اُن کو ہمیشہ حراست۔ نظربندی اور قید سخت کی سزا و ایذا تک پہنچایا ہے۔ وہ ایسے ایسے خاص اوقات اور مخصوص معاملات میں ایسے کار آمد۔ مفید اور نفع رساں ثابت ہوئے۔ جن کے سوا تمام دنیا میں کسی دوسرے سے ایسے ایسے عقدہائے مالاینحل کا حل ہونا اور ایسے ایسے اسرار ربانی اور آثار یزدانی کا سمجھنا یا سمجھانا قطعی محال تھا۔ علامۂ ابن حجر کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ نے آخرکار جب جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے ان الفاظ کے ساتھ استدعا کی کہ آپ اپنے جدّ نامدار حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی حمایت فرمائیں۔ نہیں تو سب کے سب مرتد ہو جائیں گے اُس وقت آپ اپنی امامت کے وہ فرائض انجام دینے کے لئے جو اُس وقت میں منجانب اللہ آپ کی ذات ستودہ آیات سے متعلق تھے۔ فوراً آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ اور امت مرحومہ مصطفویہ علے صاحبہا الثنا والتحیۃ کی ہدایت۔ حفاظت اور اعانت کرنے کی ضرورتوں میں۔ ایک لحظہ اور لمحہ کے لئے بھی تاخیر کو گوارا نہ فرما سکے۔ ایک عرصہ سے قید

شدید کی مصیبتیں اٹھاتیں اپنی جان زار پر اٹھا
رہے تھے۔ اور یہ تمام مصیبتیں خاصکر انہی کے ہاتھوں
کی کرتوتیں تھیں۔ جو اپنے آپ کو اہل اسلام سے قرار
دیتے تھے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ تنہا اسلام ہی کا دعویٰ
نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ تمام دنیا سے اپنے آپ کو اہل
اسلام کا پیشوا بادشاہ اور امام منوایا جاتا تھا۔ مگر
نہیں معلوم کیونکر اسلام کی پیشوائی۔ اور بلاد شرعیہ
کی فرمانروائی اس وقت کیا ہوئی کہ ایک معمولی نصرانی
مذہبی امام کے مقابلہ میں کچھ بھی کشود کار نہ ہوسکی
اور آخر کار پھر انہی جناب کی برکت کے فیوض روحانی
اور آثار عطائی سے مستفید و مستفیض ہونے کے لئے
اپنی امیدوں کے ہاتھ اور اپنی التجا کے دامن پھیلائے
گئے۔ جو بمفاد آیہ کریمہ اللّٰہ اعلم حیث یجعل
رسالتہ حجت اللہ زمانہ اور آیت اللہ فی العالمین
ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ اور تمام
مستفیضان امت کی طرح اپنے انجاح مطالب و
مقاصد کی ضرورتوں کے لئے اسی مرکز اصلی کی طرف
رجوع کرنے کے لئے مجبور ہوگئے۔ جو خدا کی طرف
سے ان ضرورتوں کے لئے قائم ہوچکا تھا۔

اگر سماعت ہمت میں ہو تو منکرین امامت کی
ہدایت کے لئے یہی ایک واقعہ کافی ہے۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ معتمد کے ایسے سخت اور شدید
مخالف نے بھی کھل کھلا کر آپ کے تمام کمالات
اور فضائل و شرافت کا اقرار کرلیا۔ اور آپ کو جناب
رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث اصلی
اور جانشین حقیقی تسلیم کرلیا۔ مگر کیا۔ نہ اس اقرار زبانی کا
کوئی اعتبار ہے اور نہ تھا۔ آیہ والی ہدایہ یقولون
بافواہہم ما لیس فی قلوبہم کی پوری شان
سے روشن ہے۔ اس سے زیادہ واضح اور
روشن الفاظ میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
کی شان میں فضائل کا درجہ کا اقرار اور آپ کی
خلافت و امامت کے سزاوار ہونے کا کامل اظہار
کیا تھا۔ مگر کیا سب کچھ اور پھر کچھ بھی نہیں پھر وہی
ہارون تھا جس نے اپنے تمام قول و اقرار کو پس پشت
ڈال کر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنی قید
سخت میں گھلا گھلا کر مار ڈالا۔ اسی طرح معتمد نے بھی
اپنی غرض نکلنے اور کام چلنے کی وجہ سے حضرت امام
حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ اس وقت اپنی
ظاہرداری دکھلا دی۔ اور پھر کچھ بھی نہیں جب وقت
نکل گیا اور ضرورت رفع ہوگئی تو پھر وہی معتمد تھا
اور وہی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام۔

تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام
حسن عسکری علیہ السلام نے جو ہڈی اُس مرد نصرانی
کے ہاتھ سے چھین کر معتمد کو دکھلا دی اور اس سے
کہا کہ یہ ایک پیغمبر ذیشان کی مبارک استخوان ہے اور
اُس کے لئے قدرت کی طرف سے یہ خواص عطا فرمائے
گئے ہیں کہ جب یہ مقدس استخوان آسمان کو دکھلایا
جائیگا تو وہ بالضرور پانی برسائیگا معتمد تو کیا اُس کے
فرشتوں نے بھی کبھی نبوت اور رسالت کے متعلق اس
خصوصیت کو نہیں سُنا تھا۔ اور وہ سنتا تو کیسے؟
یہ تو وہ معلومات ہیں جو سوائے ان حضرات مخصوصین
اور برگزیدگان درگاہ رب العالمین کے اور کسی کو
حاصل نہیں ہوسکتے۔ اور کیونکر ہوتے۔ ان علوم کا
شائبہ علوم لدنیہ سے ہونا ضرور تھا۔ اور وہ اس
زمانہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ذات
سے مخصوص تھا۔ اور کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھا
اگر ہوتا تو معتمد کی ایسی سخت مجبوری اور معذوری کے
زمانہ میں وہ اپنے خلیفہ کی استمداد و رعایتاً کبھی ہرگز
مرد نصرانی کے مقابلہ سے نہ چوکتا۔ مگر بلا واسطہ میں
کوئی فرد واحد ایسا نہیں تھا جو اپنی دلائل سے اُس کے
شاہدات کو غلط ثابت کردیتا۔ اور اہل اسلام کے نامی
بڑے بڑے علماء کو جو ڈنگ ہو رہے تھے۔ گمراہی

اور ضلالت سے بچا لیتا۔

اب رہا یہ امر کہ اُس مرد نصرانی کو یہ استخوان مقدس کہاں سے ہاتھ لگ گئی۔ تو یہ امر کوئی محال اور ناممکن نہیں کہا جا سکتا۔ جوئندہ یابندہ۔ کہیں سے پا گیا ہو تو اس میں دشواری ہی کیا ہے۔ اب باقی اس سوال کا جواب کہ اُس کو اس استخوان مطہر کے خواص کا کیسے علم ہوا۔ تو ہم اس کے جواب میں نہایت آسانی سے سمجھا دیتے ہیں کہ اس کو حقیقت میں اُس کا پورا علم نہیں تھا۔ مگر اتفاقیہ اُس کو ہاتھ لگ جانے اور بار بار تجربہ کرنے سے معمولی طور پر اُس کے خواص پہ اطلاع ہو گئی تھی۔ ورنہ نہ وہ خاصان الٰہی سے تھا اور نہ اس کو جناب الٰہی اس کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی تھی اور نہ اُس کو علوم لدنیہ میں سے کوئی حصہ عنایت فرمایا گیا تھا۔ یہ سب غلط فہمی اور سوء اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کی پوری مثال یوں سمجھ لینی چاہئے کہ ایک شخص کو سانپ کے کاٹے کا زہر مہرہ مل جائے۔ اور حقیقتاً وہ اُس پتھر کے ان مخصوص خواص سے مطلق واقف نہ ہو مگر چند بار اُس کو مار گزیدہ پر استعمال کرنے سے اُس کو جس قدر اُس کے اوصاف و خواص کا علم ہوگا اُسی قدر اس مرد نصرانی کو بھی اس وقت اُس استخوان مقدس کے استعمال و خواص پر اطلاع رکھنا قبول کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال۔ یہ واقعہ اگر نظر حقیقت اور دیدۂ بصیرت سے دیکھا جائے تو معتمد کیا تمام اہل اسلام کے ارشاد و ہدایت کے لئے کافی تھا۔ اس میں پھر نہ کسی کو کلام تھا اور نہ عذر۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ تمام اہل اسلام اُس مرد نصرانی کی اس معجز نمائی سے سخت متحیر اور متفکر ہو رہے تھے۔ اور مذہب نصاریٰ کے لوگوں کو اس معاملہ سے ایک طرح کا غلبہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ضرور ہو چلا تھا مگر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حقیقت حال ظاہر فرما دینے اور پھر بلا استمداد و استکشاف استخوان مقدسہ پانی برسا دینے سے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اہل اسلام کے چہروں سے گرد ندامت دُھل گئی۔ اور پھر آئینہ کے ایسا منہ لیکر تمام نصاریٰ کے مقابلہ میں اپنے مذہب اپنے طریق [illegible] شریعت کی صفائی اور سچائی کی روشن [illegible] دلائل بیان کرنے لگے۔ اور اُن کے راہبان [illegible] جولی اور عیاری کی حقیقت کھولنے لگے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس واقعہ سے زیادہ [illegible] روشن واقعہ اظہار حقیقت کے لئے اور کون ہوگا اور اسی سے امام منصوب من اللہ اور امام ماسوا [illegible] کے فرق مابہ الامتیاز پوری طرح سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو معتمد اس زمانہ میں تمام اہل اسلام کا پیشوا اور امام تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اور وہ تو اپنی [illegible] شان و شوکت کی بدولت اپنے آپ کو منصوب من اللہ سمجھتا تھا اور یہ کچھ اُس کا اپنا خیال نہیں تھا بلکہ تمام اہل اسلام بھی اس کو اسی نظر اور اسی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ مگر اسلام کا یہ مصنوعی امام پیشوا اور مقتدا ایسی ناگزیر حالتوں میں کچھ نہ کر سکا۔ اور اُن مذہب اور دین کے بگڑے ہوئے کاموں کو جس کی حفاظت کا وہ اپنے آپ کو خدا کی طرف سے جوابدہ سمجھتا تھا۔ ایک ساعت کے لئے بھی سنبھال نہ سکا۔ اور آخر کار پھر اسی کے پاس آیا جس کو وہ اس امر اہم کی تعمیل پر پورے طور سے قادر سمجھتا تھا۔ اپنے التجا کے ہاتھ پھیلائے اور پھر انہی کے ذریعہ سے شریعت اسلامیہ کے بگڑتے ہوئے کام سنبھال لئے۔ اب تو اس معاملہ میں بزرگوار کی حقیت اور صداقت میں نہ بادشاہ کو کوئی کلام ہونا چاہئے تھا۔ اور نہ رعایا کے کسی خاص یا عام کو یہ امر بھی ایک عام مشاہدہ تھا۔ ہر کس و ناکس سے [illegible]

دونوں آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ کسی نے کسی سے سنا تھا۔ یا کسی نے کسی سے ذکر کیا تھا۔ مگر اس مشاہدہ کا جیسا اثر ہونا چاہئیے تھا وہ کچھ بھی نہیں ہوا کسی نے بھی معتمد کی دنیاوی ثروت واقتدار کے آگے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فضل وکمال کو اعتبار واعتماد کے قابل نہیں سمجھا مگر ہاں۔ نظام قدرت نے جو ارادہ کیا تھا وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی استرضا اور اجازت سے بطور پورا کر لیا۔ اور یہ منہ دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔

حضرت امام حسن عسکری عم کی قید میں تخفیف

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے اس مشاہدۂ کرامات کا اثر معتمد کے دل پر ایسا پڑا کہ اس نے آپ کو مجلس سلطانی سے نکال کر دولتسرا میں جانے کی اجازت دیدی۔ مگر حراست اور نظر بندی کے شرائط کو اسی طرح قائم اور برقرار رکھا۔ یہ حکم بالکل ویسا ہی تھا جیسا اس کے باپ متوکل نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے متعلق دیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ ظاہری طور پر آپ رہا کر دیے گئے تھے مگر آپ کی آزادی اسی طرح ابھی ضبط تھی۔ مگر ہم اتنی ہی رعایت کو غنیمت شمار کرتے ہیں۔

جب معتمد کے موجودہ حکم کو اس کے سابق فرمان سے ملایا جائیگا تو مشیت کا پورا جلوہ اور قدرت کا سچا تماشا نظر آئیگا۔ معتمد اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی رہائی کا حکم تعجب ہے اور سخت تعجب۔ جل جلالہ وجل شانہ یہ سب قدرت کے تصرفات تھے اور مشیت کے انتظامات۔

جنہوں نے تاریخ قدیمہ اور اخبار ماضیہ کا ملاحظہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ نمرود کے ان انتظاموں کے مقابلہ میں کہ کوئی شخص آج رات بھر شہر کے اندر نہ رہے۔ تمام لوگ بیرون شہر رہیں۔ جناب تاریخ کو اس وقت اس پریشانی اور مصیبت کے عالم میں۔ خزانۂ عامرۂ سلطانی کی کنجی کو کس کے حکم اور کس کے ارادہ نے یاد دلا دیا۔ وہ کون تھا جو خلقت ابراہیمی کی بشارت پوری کرنے کے لئے اس بزرگوار کو نمرود کے سلطانی دربار سے آدھی رات گئے گھر اٹھا لایا۔ اور پھر نمرود بھی یہ سمجھ کر کہ خزانہ عامرہ کی کنجی ایک محض غیر محفوظ اور مخدوش حالت میں پڑی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی چور اٹھا لے گیا اور بدنیت اٹھا لے۔ دربار کا دربار۔ محل کا محل خالی پڑا ہے۔ شاہی اندوختہ پر نہایت آزادی اور اطمینان سے ہاتھ صاف کرے اور خوب جی بھر بھر کر لوٹے۔ تو اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس لئے وہ جناب تاریخ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو بھی کسی طرح گھر جانے سے نہ روک سکا۔ اور فوراً اجازت دے دی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے موجودہ معاملات میں بھی نظام ربانی اور قدرت یزدانی کی بھی بالکل یہی حالت اور حیثیت سمجھنی چاہئے۔ راہب نصرانی کا آنا۔ پانی برسانا۔ معتمد کا اس کے مقابلہ سے مجبور ہو جانا۔ پھر اس مجبوری کی حالت میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو بلوانا۔ آپ کا ایسا نمایاں مشاہدہ دکھلانا۔ اگلی راہب کا کھلا اور چھوٹا حیلہ ظاہر فرمانا۔ اور پھر اپنی طرف سے بغیر کسی استمداد واستعانت کے ایسا پانی برسانا کہ ملکی سیرابی کی تمام ضرورتیں رفع ہو گئیں۔ معتمد کا اس واقعہ سے متاثر ہو کر آپ کو قید شدید سے رہا فرمانا۔ یہ تمام باتیں قدرت کے کھلے تصرفات تھے۔ اور مشیت کے واضح اور روشن معاملات معتمد کن خیالوں میں تھا اور قدرت ایزدی اور مشیت باری عز اسمہ نے اسی کے ہاتھوں سے اپنی اس عظیم الشان قدرت کے اظہار کا پورا سامان کرا دیا۔ جس کی بشارت وہ تین سو برس پہلے جناب مخبر صادق

صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ تمام دنیا کو پہنچا چکا تھا۔ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت عندہ ام الکتاب ٭

قید شدید سے رہائی پانا اور آپ کی پنجسالہ خانہ نشینی کا اخیر زمانہ

بہرحال۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام محبس سلطانی سے شروع ۲۵۵ھ ہجری میں مستخلص ہوئے اور اپنی دولتسرا میں تشریف لائے۔ اور اپنے پدر بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی طرح اپنے گھر میں اپنی حیات ستودہ آیات کے ایام بسر کرنے لگے۔ مومنین مخلصین تو آپ کی آزادی اور مخلصی کے دن اپنی انگلیوں پر شمار کر رہے تھے۔ ہر شخص اس مژدۂ جانفزا کو سُن سُن کر آپ کی زیارت کے لئے آستانۂ مبارک پر دوڑا آیا۔ اور شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ اگرچہ خلیفۂ وقت کیطرف سے آپ کی حراست و نظربندی کے حکم پورے طور سے اُٹھائے نہیں گئے تھے۔ آپ کے حالات کا تفحص اور مومنین کی روش اور انداز کا تجسس۔ آپ کی صحبت کے تمام اذکار و اخبار کی تلاش ابھی ویسی کی ویسی ہی قائم تھی۔ اور وہ لوگ جو خلیفہ کی طرف سے اس خاص منصب پر تعینات تھے۔ وہ موقع اور وقت سے آپ کے متعلق اُن تمام معاملات کا سراغ لگالیا کرتے تھے اور کامل طور سے ان تمام باتوں کی تحقیق اور تلاش کر لیا کرتے تھے۔ مگر کیا کبھی اُن کے یہ خیال سچے نکلے اور اُن کی یہ غلط فہمی اور شبہے کسی وقت صحیح ثابت ہوئے۔ نہیں کبھی نہیں۔ اُن کے شبہوں کے خلاف نہ کبھی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی صحبت میں خلافت یا خلیفہ کے متعلق کسی امر کا ذکر نکلا۔ اور نہ کبھی آپ کے قول و ارشاد سے کوئی امر خلاف ظاہر ہوا۔ سوائے امن پسندی۔ صلح جوئی اور نیک طلبی کے کسی قسم کے فتنہ و فساد کے متعلق کوئی عنوان یا کوئی سامان نہ آپ کے ارشاد و گفتار سے ظاہر ہوئے اور نہ آپ کی صحبت کے بیٹھنے والوں کی رفتار و اطوار سے۔ اور ہوتے تو کیونکر؟ دنیا کی دنیا۔ زمانہ کا زمانہ ان حضرات مقدسہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کی موجودہ سیرت اور محاسن عادات کو ایک مدت سے دیکھ رہا تھا۔ اور ان نفوس عالیہ کے حزم و احتیاط۔ عاقبت اندیشی اور حسن تدبیر کے اعلےٰ جوہروں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ پھر اپنے اسلاف طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی موجودہ سیرت کے خلاف امر ظاہر ہوتا تو کیسے؟ یہاں تو تمام جسمانی اور روحانی اوصاف و محامد میں یہ تمام ذوات عالیات مساوی اور برابر ہیں! کلھم سواء و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ٭

بہرحال۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی اس مخلصی سے جو قدرت ربانی اور مشیت یزدانی کا اصلی منشا تھا وہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کا وجود تھا۔ اور الحمد للہ وہ بہر طور قائم ہو گیا۔ اور ۲۵۶ھ ہجری کی پندرھویں شعبان کو نماز فجر کے کچھ دیر بعد تمام دُنیا اُس نور الٰہی کے جلوے سے معمور اور پر نور ہو گئی۔ للہ الحمد و لہ الشکر علی افضل رحمتہ و اکرم رافتہ ٭

جناب قائم آل محمد عم کی ولادت پوشیدہ رکھنے میں مصلحت

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے بھی اس مسئلہ کو نہایت سخت احتیاط کے ساتھ پوشیدہ رکھا۔ اگرچہ ولادت نیمۂ شعبان یوم جمعہ ۲۵۶ھ ہجری میں واقع ہو گئی تھی۔ مگر آپ نے کسی کو بھی اس کی خبر نہیں کی یہاں تک کہ آپ کے خاص گھر والے بھی۔ جو رات دن اُسی گھر میں رہتے تھے۔ اس واقعہ سے مطلق آگاہ نہ ہو سکے چنانچہ جعفر اور اُن کے اہل و عیال اس واقعہ

کی نسبت کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ جعفر سے جب جناب قائم آل محمد علیہ السلام کی نسبت استفسار کیا گیا اور آپ کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرزند بتلایا گیا۔ اور پانچ برس قبل آپ کی پیدائش کی بھی اطلاع کر دی گئی۔ تو جعفر کہنے لگے کہ میں تو ان کے حالا سے ذرا بھی واقف نہیں ہوں۔ اور سوائے آج کے کبھی میں نے ان کے وجود کی نسبت کسی سے کچھ نہیں سُنا۔

جعفر کے علاوہ۔ افشار کے خوف سے اس واقعہ کی خبر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مومنین اور متبعین کو بھی نہیں کی۔ اور خداوند عالم کے نظام مشیت کے مطابق جس طرح ان امور کی تعمیل کے لئے ہدایت فرمائی گئی تھی۔ بالکل اسی طور پر سر انجام فرمایا۔ جیسا کہ ہم اس کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی آئندہ کتاب میں انشاء اللہ المستعان بیان کریں گے۔

رقم خمس کی تاریخ اور اس کی تفصیل

جعفر نے مقصود سے ہی دونوں کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے خلاف ایک دوسری مخالفت نکالی۔ وہ رقم خمس کی امتناع تھی جس کی حقیقت ذیل میں با تفصیل قلمبند کی جاتی ہے۔

مگر قبل اس کے کہ ہم اس کی پوری ماہیت بتلائیں ہمارے لئے ضرور ہے کہ ہم اپنے ناظرین کو اس کی اصلی حقیقت سے آگاہ کر دیں۔ کیونکہ اہل اسلام کی بے پروائی ناپرسائی اور غفلت کی نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ احکام دینیہ اور نظام شرعیہ کے تمام طریقوں سے کہاں تک واقف ہوں گے۔ اصول سے اور فروع شرع کی پوری حقیقت سے بھی آگاہ نہیں۔ خصوصاً رقم خمس تو زمانہ دراز سے ایک جُدا گانہ شے قرار پا کر ایسی ناپرسان اور بے اصل قرار دے دی گئی ہے کہ آجکل کے مسلمان تو اس کے نام سے بھی واقف نہیں۔ زکوٰۃ کی طرح خمس کی رقم بھی تمام اہل اسلام پر واجب الادا ہے۔ اور یہ رقم عموماً چھ چیزوں پر واجب ہوتی ہے۔

(۱) غنیمت کی رقم میں یعنی جو مال غیر مذہب والوں سے لڑائی میں ملے۔

(۲) معادن۔ اگر معدنیات کا مالک ہو یعنی سونا چاندی۔ تانبا۔ اسی طرح یاقوت۔ زمرد۔ نیلم وغیرہ۔ اگر اس کی معدن مملوکہ سے برآمد ہوں۔ تو ان جواہرات کے محاصل سے رقم خراج اس کو جُدا کرنی ہوگی۔

(۳) دفائن۔ اگر کسی نے زمین کے نیچے پایا ہے عام اس سے کہ وہ سونا ہو یا چاندی۔ ادائے خمس اس کے ذمہ واجب ہے۔

(۴) دریا سے نکلنے والی چیزوں پر بھی رقم خمس واجب الادا ہے۔

(۵) سالانہ آمدنی کی بچت سے بھی خمس ادا کرنا ہوگا۔

(۶) اُس مال حلال سے جو مال حرام سے مل کر مشتبہ ہو گیا ہو۔ تاوقتیکہ رقم خمس ادا نہ کر لی جائے مال حلال نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک ایسا مال جس کے مالک کا بھی نشان معلوم نہ ہو۔ اور وہ کسی اہل اسلام کے ہاتھ لگ جائے تو وہ شخص ایک میعاد خاص تک اُسے امانت رکھے۔ اگر میعاد مقررہ تک مالک مال کا سُراغ لگے تو اُسے تسلیم کر دے۔ ورنہ بعد مدت مقررہ رقم خمس نکال کر اپنے عین المال میں محسوب کر لے۔

بعض علماء نے اُن زمین اور املاک کی نسبت بھی ادائے خمس کو شرط سمجھا ہے۔ جو مسلمانوں سے غیر مذہب والے خرید کریں۔ تو اُس کی قیمت میں مشتری سے رقم خمس وضع کر کے بائع مسلمان کو ادا کرنا واجب الادا ہے۔ مگر اکثر علماء نے اُس کو رقم خمس میں شمار نہیں کیا ہے۔

خمس کی نسبت اس سے زیادہ تحقیق فقہ کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے چونکہ ہم کو خمس کے

حالات لکھنا منظور ہیں۔ اور اس کے نصاب شرعیہ وغیرہ کا ذکر مقصود نہیں۔ اس لئے ہم اس کی تفصیل نہیں کر سکتے۔ مگر ہاں اتنا ضرور لکھ دیں گے کہ خمس کی رقم خاص سادات (اہل بیت طاہرین) کا مخصوص حصہ قرار دی گئی تھی۔ اور سوائے اُن مخصوص حضرات کے اور کوئی دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں تھے اور نہ اُس رقم میں کسی اہل اسلام کو عام اس سے کہ وہ کسی درجے یا طبقے کا ہو۔ کوئی حصہ دیا جاتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ رقم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت علیہم السلام کا حق قرار دی گئی تھی۔ اور اولاد عبد المطلب کے دائرے تک اس کا عمل اور اجرا محدود و موقوف تھا۔ اور انہی حضرات کے ایتام مساکین اور ابن السبیل وغیرہم کی پرورش اور امداد و اعانت کیجاتی تھی۔ مگر باایں ہمہ اس رقم کی وصولی اور انتظام اور تقسیم کے حقوق ان حضرات کو مطلق نہیں تھے۔ اور نہ وہ حضرات باختیار خاص اس میں کوئی مداخلت کر سکتے تھے۔ یہ تمام امور خاص طور پر حضرات اہلبیت طاہرین کے رئیس و بزرگ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور وہ اپنے خاص انتظام اور مناسب احکام سے اس رقم کو اپنی تمام قبیلے اور عشیرے کے مستحقین حضرات پر تقسیم کیا کرتا تھا۔

افسوس۔ بعد وفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو زائد اقربا پروری پر جہاں واقعہ سد الابواب۔ عطایائے رایت۔ ہبۂ اموال فدک واراضی متعلقہ اور اذن دخول مسجد وغیرہ محمول کی جاتی تھیں۔ ان میں ایک رقم خمس کی تخصیص بھی تھی۔ اور یہ تفریق و تخصیص بہت سے اہل اسلام کی ناراضی کا باعث ہو رہی تھی۔

جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی کے مطابق اپنے زمانہ میں اُن تمام رقوم میں سے خمس کے رقوم خود نکالیں جن سے اُن کے علیحدہ کئے جانے کا حکم آچکا تھا۔ آپ کے زمانہ حیات تک یہ طریقہ برابر جاری رہا۔

جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد نظام خلافت کے جدید مدبرین نے اس رقم کو بنی ہاشم کے خالصہ سے نکال کر خلافت کے اجمال میں ڈال دیا۔ اور ہبۂ فدک کی جائداد غیر منقولہ کے ساتھ عطیۂ خمس کے منقولہ کو بھی ضبط کر لیا۔ غریب بنی ہاشم رضینا بقضائہ وتسلیماً لامرہ کہہ کر اپنے رئیس قبیلہ کی حسن تدبیر اور ہدایت کے مطابق خموش رہ گئے۔ اور مالی اور نقدی دونوں جائدادوں سے بالکل خالی ہو گئے۔

پہلی خلافت کے دورے سے لے کر دوسری خلافت کے زمانے تک یہ رقم اُسی نصاب کے مطابق تمام اموال اور ابواب مشخصہ سے برابر وصول کی جاتی تھی۔ اور بیت المال اسلامی میں ملا کر تقسیم کی جاتی تھی۔

دوسری خلافت کے بعد تیسری خلافت میں مروان کے آزادانہ تصرف نے خلافت کی جس رقم کی طرف سب سے پہلے اپنا ہاتھ بڑھایا وہ یہی حق السادات تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان تیسرے خلیفہ سے انہوں نے فدک کا ہبہ نامہ اپنے نام لکھوا لیا۔ اور ملک افریقہ کے خمس پر آئندہ دانت گڑائے رہے۔ مگر اُس پر تو مدت سے عمرو ابن عاص کی چیرہ دستی گڑی ہوئی تھی۔ اور وہ وہاں کے امیر ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلے یہ رقم نکال کر اپنے لئے رکھ لیا کرتا تھا۔ اب مروان کی دال گلتی تو کیونکر جب عمرو ابن عاص اُن کی دھمکی اور دور دور کی گھرکی میں نہ آیا تو آخر کار اُس نے خلیفہ سے استغاثہ پیش کیا۔ خلیفہ کی فہمائش پر بھی عمرو ابن عاص نے دینے سے انکار کیا۔ اور مصر والوں کو خلیفہ کی خلافت

خوب خوب اُبھارا۔ خلیفہ نے مصر کی ولایت سے معزول کر دیا۔ اور اُن کی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ ابن ابی سرح کو عنایت فرمائی۔ جس کا خون فتح مکہ کے روز ہدر ہو چکا تھا۔ عمرو بن عاص نے بن جھنجھلاہٹ میں امّ کلثوم خلیفہ عثمان کی بہن کو جو ایک مدت سے ان کے عقد میں تھیں طلاق دیدی۔ پھر چند روز دں کے بعد باغیان مصر کے ساتھ روانہ ہو کر فلسطین ہوتا ہوا مدینہ منورہ میں داخل ہو گیا یہاں پہنچکر عمرو عاص اور عثمان میں جیسے جیسے ناہموار اور ناسزاوار کلمے کلام واقع ہوئے۔ وہ اسلام کی چھوٹی بڑی تمام کتابوں میں درج ہیں۔

بہر حال۔ حضرت عثمان کی اقربا پروری نے عمرو ابن عاص کو تو نہیں۔ مگر عبداللہ ابن ابی سرح کو البتہ ملک افریقہ کی رقم خمس ہمیشہ کے لئے معاف کر دی (دیکھو تاریخ ابن اثیر۔ ابوالفدا۔ روضۃ الاحباب وغیرہا)

ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ اس زمانہ میں اہل اسلام اموال خمس کو مال خدا اور واجب الادا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ حاکم وقت اور فرمانروائے عصر کا عین المال۔ اور اس کی نسبت اُن کے حسد و نفسانیت نے اُن کو بتلا دیا تھا کہ ادائے خمس جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقربا پروری اور برادر نوازی کی ایک خوشنما تدبیر ہے۔ اور کچھ نہیں۔

خلافت راشدہ کے زمانہ تک تو اس کی یہ حالت رہی جو اوپر بیان کی گئی۔ آگے چل کر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا۔ اس کی حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ بلکہ خلافت راشدہ کے تیسرے دور سے ہی سے اس کے ظاہری جمہوری بناء و نسبت میں پورا تغیر پیدا ہو گیا اور اسی وقت میں اس کے اصلی اور جائز مستحقین کے مقابلہ میں اس رقم کو یہ دکھلا کر اپنے اجمال میں لے لیا تھا کہ تمہارے اکیلے یتیموں۔ محتاجوں اور مسافروں پر یہ رقم صرف نہیں کیجا سکتی۔ بلکہ اس سے اسلام کے تمام یتیم۔ محتاج اور مسافر امداد اور اعانت پاتے رہیں گے۔ اور چونکہ تمام اہل اسلام کا نظام اس وقت اُس شخص کے متعلق ہے۔ جو اہل حل و عقد کی رائے سے بلاد اسلام کا امیر اور شریعت اسلامی کا خلیفہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی تقسیم اور اس کا جملہ انتظام اُسی کے متعلق رہے گا۔ اور وہی اس رقم کو اور دیگر ابواب کی طرح عام مستحقین اسلام پر اپنی تجویز کے مطابق تقسیم کرے گا۔ اس خود غرضانہ تقریر سے اگر اور کچھ نہیں تو اپنی صفائی تو تھوڑی بہت ضرور ہو گئی۔ اور ہر شخص کو معمولی طور پر سمجھا دینے اور بہلا لینے کے لئے کافی ہو گیا۔ اور اس کہنے کا موقع مل گیا کہ اگر ہم نے کسی کا مال لے لیا تو خود تو نہ کھا گئے۔ بلکہ دوسروں کو کھلا دیا۔ اگرچہ یہ صفائی عذر گناہ بدتر از گناہ سے بھی زیادہ فضول و مہمل ہے۔ مگر چونکہ عام ہمدردی کا اس سے کسی قدر اظہار ہوتا ہے اس لئے دنیا کے ظاہر پرستوں اور زر پرستوں نے اس کو عین دلیل سمجھ کر خلافت اور اپنے مصنوعی خلیفہ کا اصلی حق سمجھ لیا۔ استغفر اللہ ربی۔ ع این خیال است و محال است و جنون۔

دوسری خلافت کا زمانہ جو ترقی اسلام کے لئے شباب کے ایام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان حضرات مقدسین سلام اللہ علیہم اجمعین سے اعانت۔ استمداد اور استصواب رائے طلب کئے بغیر نہیں گزرا اور امور دینیہ کی ضرورتوں کے وقت جب نظام امت کے اس صیغہ کے متعلق کوئی امر اہم اور مشکل مسئلہ پیش آجاتا تھا تو پھر انہی حضرات کی طرف برابر رجوع کی جاتی تھی حضرت عمر کے اقوال ۱۔ لا یفتین احد فی المسجد وعلی حاضر۔ ۲۔ لولا علی لهلک عمر ۳۔ ابو الحسن الی جنبی۔ ہمارے ان بیانات کی پوری تصدیق کرتے ہیں۔

اس خلافت نے ان مخصوص مسائل کے علاوہ

امور ملکی میں بھی جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے استصواب رائے کیا ہے۔ محاصرۂ روم اور معرکۂ فارس کے مواقع پر آپ ہی کی تجویز اور رائے کے مطابق کام کیا گیا ہے اور برابر کامیابیاں اور فتوحات حاصل کئے گئے ہیں۔ اسی ایک خلافت کے حالات پڑھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ امام کی ضرورت سے زمانہ کسی وقت خالی نہیں اور اس کے ہر طبقے اور ہر درجے کے لوگ۔ دینی دنیوی ملکی اور مالی ضرورتوں کے وقت اپنے امام زمانہ کی استصواب رائے۔ حسن تدبیر حکم و احکام اور صلاح و مشورے سے مستفید و مستفیض ہو سکتے ہیں۔ صبح سے شام بھی ابھی نہیں ہوئی۔ اور دوسری ہی خلافت میں امام مامور بالناس اور امام منصوب من اللہ کا پورا فرق مابہ الامتیاز معلوم ہونے لگا۔ بلکہ گیا اس امر کے کامل محقق ہو جانے پر بھی چاہئے اس غلط اصول سے کنارہ کیا گیا ہو۔ نہیں۔ اُس پر ہمیشہ اصرار ہی رہا۔ کیونکہ مطلب کی بات تھی۔ اور اپنے مطلب اور گروں کی بات چھوڑنا دنیا پرستوں کے لئے قطعی دشوار ہو جاتا ہے۔

تیسری خلافت نے اس ظاہرداری کا ہلکا سا پردا اور رہی سہی آڑ بھی آگے سے ہٹا دی۔ اور میدان صاف کر دیا۔ اپنی غلط فہمی کے اس اصول پر کہ جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (معاذ اللہ) اس رقم سے اپنی اقربا پروری اور برادر نوازی کے فرائض انجام دئے۔ تو ہم اپنے اختیار و تصرف کے مطلق اور آزاد زمانہ میں اُس سُنہرے موقع کو کیوں ہاتھوں سے جانے دیں۔ اسی غلط اصول پر انہوں نے اپنی رضاعی بھائی عبد اللہ ابن ابی سرح کو جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے۔ پہلے اس سے سرفراز فرمایا۔ پھر مروان کو اور اُن کے بعد پھر اپنی ملوام الحیات اپنے تمام اعزا اور اقارب کے لئے یہ رقم کیا تمام بیت المال اسلامی ہی وقف فرما دیا۔ چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں علامہ خطابی کے معتبر اسناد سے۔ خود ان کا قول۔ انہی کی زبانی ذیل کی عبارت میں تحریر فرماتے ہیں۔

انّ عثمان قال حین اقطع فدك لمروان انّ النبیّ یختص بالنبیّ یکون للخلیفة عثمان نے مروان کو فدک عطا کرنے کے وقت کہا کہ جو مخصوص استحقاق نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھے وہی بجنسہ ان کے خلیفہ کو بھی ملیں گے۔

اس قول سے حضرت عثمان کا جو عقیدہ خمس کے متعلق تھا معلوم ہو گیا۔ ہر شخص اس سے سمجھ لے گا کہ وہ اپنے زمانے میں ان رقوم کو اپنا خاص عین المال خیال کرتے تھے۔ اور اُن کے آگے نہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عزیز باقی تھا نہ قریب۔

ہم نے جہاں تک ان امور کی تحقیقات کو وسیع کیا ہے۔ یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ عقیدہ کچھ حضرت عثمان ہی کا تنہا نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ خلیفہ اول بھی ان تمام خالصات پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسند امام حنبل۔ کنز العمال۔ ریاض النظرہ اور تاریخ طبری میں حضرت ابوبکر کا یہ قول عام طور سے مندرج ہے۔ قال ابوبکر فی امر فدك انّی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اذا اطعم نبیّا طعمة ثم قبضه جعلها الذّی یقوم مقامه من بعده۔ یعنی فدک کے معاملات کے بارے میں حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو مال اور طعام کہ ایک نبی کے ملک سے اُس کے مرنے کے بعد رہ جاتا ہے۔ وہ اُس کے بعد اُس کے قائم مقام کا حق ہوتا ہے۔

اس کلام سے ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین اموال خمس کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان

کیا گیا ہے۔ مگر میری خاص تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ان تصرفات بیجا کو معاویہ ابن ابوسفیان نے اور عام کر دیا۔ جزیرۂ قبرس اور جزیرہ روڈس کے مال غنیمت میں خمس نکالے جانے سے پہلے حضرت عثمان کے وقت میں اپنے اور اپنے مخصوصین کے لئے معاویہ نے جیسا کچھ تصرف کیا وہ عام اہل اسلام کی ناراضی کا سخت باعث ہوا۔ چنانچہ عبادہ ابن صامت انصاری جو اس تقسیم کے وقت موجود تھے دراز گوش۔ کنیز اور انگشتر یاقوت والے معاملہ میں ان سے ایسا بگڑے کہ معاویہ سے کچھ بنائے نہ بنی۔ اور عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ نے ان کے خاص ہوا خواہوں سے وہ تمام دراز گوش واپس لے لئے۔ اور پہلے ان میں سے رقم خمس نکال کر پھر لنصاً مقررہ کے مطابق اس مال کو تمام مسلمانوں پہ تقسیم کر دیا۔ مگر باایں ہمہ وہ یاقوت اور وہ کنیز معاویہ نے نہ دینی تھی اور نہ دی۔ کنیز تو خیر کسی نہ کسی طرح خلیفہ عصر کے مشکوئے حاجی تک پہنچ بھی دی۔ مگر وہ یاقوت سرخ والی انگوٹھی کھا ہی گئے۔ اب سنئے۔ بی بی نائلہ حضرت عثمان کی زوجہ۔ اپنے شوہر پر کچھ ایسی حاوی ہو رہی تھیں کہ وہ کسی طرح کسی دوسری عورت کو آپ کی خدمت میں رہنا ایک ساعت کے لئے بھی بیٹھے دل اور ٹھنڈی آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی کے خوف سے بیچارے خلیفہ نے پھر وہ عورت معاویہ کو حوالہ کر دی۔ یہ تو خدا ایسی ہی چاہتے تھے۔ اب اگر خدا نے نہیں تو خلیفۂ عصر نے تو اسے ان کے لئے خاص طور پہ حلال فرما دیا۔ غرضکہ یہ دونوں مال غنیمت (کنیز اور یاقوت سرخ) جن میں سے مال خمس جدا نہیں کیا گیا تھا معاویہ کے گھر رہا۔ اور اس میں سے ایک کوڑی بھی کسی مسلمان کو نہ ملی "فتوحات اعثم کوفی"

ہم نے ان دونوں واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ سراج المبین جلد اول میں لکھ دیا ہے۔ یہاں ان کے ذکر کرنے سے صرف اسی قدر مقصود تھا کہ ہمارے اس بیان کی کہ خلیفہ کے علاوہ اور دیگر عمال اور امرائے خلافت میں جس کو تصرف فی الخمس کی سب سے پہلے جرأت ہوئی وہ معاویہ ہی تھے۔ پورے طور سے تصدیق اور توثیق ہو جائے۔

بہرحال۔ خلافت راشدہ تک تو جو خمس کی حالت رہی اور خلافت اولٰے سے لے کر ثالثہ تک اس میں جو تغیر اور تبدل واقع ہوتے گئے۔ وہ ایک ایک کر کے قلمبند کر دئے گئے۔ جب خلافت ثلاثہ کا موجود سلسلہ تمام ہو کر ملوک عضوضہ کا دورہ شروع ہوا تو سلاطین امویہ میں پہلے دو تین بادشاہوں تک تو یہی طریقہ جاری رہا۔ مگر عمر ابن عبد العزیز نے اپنے اسلاف کے خلاف رقم خمس کو کسی طرح خلافت کا حق نہ سمجھا اپنے ہمعصر بنی فاطمہ اور رئیس آل محمد جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو بلا کر فدک اور وہ تمام اراضی جو خمس کی رقم میں سادات کے خالصات قرار پا چکی تھی اور خلافت اول کے وقت سے لیکر اس وقت تک ضبط تھیں واپس دیدیں۔ اور آپ کو ان تمام جائداد کا متولی بنا کر بنی ہاشم کی پرورش اور گزران اوقات کے اسباب درست کر دئے۔ عمر ابن عبد العزیز کی ذات سے یہی بہت کچھ غنیمت تھا۔ اور ایسا غنیمت کہ آج تک اس کی یادگار بنکر یہ واقعہ تمام اسلام کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

ہم نے جہاں تک عمر ابن عبد العزیز کے اس واگذاشت کے مسئلہ کی تحقیق کی ہے۔ ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ اس کی یہ واگذاشت صرف فدک اور ان اراضی ہی تک محدود تھی جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خاص طور پہ منجانب اللہ عطا فرمائی گئی تھیں۔ مگر اس کے علاوہ اور دوسری رقمیں جو ممالک محروسہ سے رقم خمس کے نام سے وصول کی جاتی تھیں۔ ان کی

واگزاشت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے نام کہیں ثابت نہیں ہوتی۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں عموماً صرف فدک وغیرہ کی واگزاشت کا واقعہ مندرج ہے۔ یہ کسی کتاب میں کہیں لکھا پایا نہیں جاتا کہ عموماً تمام رقم خمس عمر ابن عبد العزیز نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں سپرد کردی ہو۔ مگر بایں ہمہ ہم کو اس کا اعتراف ضرور ہے کہ ایں ہم غنیمت بود۔ جو کچھ عمر ابن عبد العزیز نے کیا۔ وہ غریب اور فاقہ کش سادات کی بہت بڑی ممنونیت اطمینان و فراغت کا باعث ہوا۔

مگر افسوس بے رحم۔ بے درد اور شقی القلب بنی امیہ نے عمر ابن عبد العزیز کو انہی امور کی وجہ سے زہر دے کر مار ڈالا کیونکہ سادات کے ساتھ اُس کا یہ ہمدردانہ طرز عمل اُن لوگوں کو بالکل خلاف گزرا تھا عمر ابن عبد العزیز کے مرتے ہی اور تخت حکومت پر قدم دھرتے ہی ہشام نے یہ تمام احکام منسوخ اور کالعدم کر دئیے۔ اور پھر سابق بدستور فدک اور دیگر اراضیات جو جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو دئیے گئے تھے۔ فوراً واپس لے لئے گئے۔ آپ نے بھی اپنی حسن تدبیر اور عاقبت بینی کے بے نظیر اصول کو مد نظر رکھ کر ہشام کے احکام کو تسلیم کر لیا۔ اور اپنے کمال استغنا کے اظہار میں خدا مسبب الاسباب کی رحمتوں پر توکل فرما کر اپنے گھر بیٹھ رہے۔

پھر ہشام کے وقت سے لے کر مروان الحمار آخر خلیفۂ امویہ تک خمس کے انتظام میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں واقع ہوا۔ اور وہ اپنے سابق استحقاق کی رو سے ان رقوم پر بالذات ہمیشہ متقابض اور متصرف رہے۔

رقم خمس خلفائے عباسیہ کے وقت میں ۱۳۲ ہجری میں زمانے نے کروٹ بدلی اور امویہ سلاطین کی جگہ بمصداق ع یکے ہیں رود و دیگرے

ہمیں آید۔ فرمانروایان عباسیہ نے بلاد اسلامی کی حکومت اپنے قبضہ اختیار میں لی۔ اور السفاح نے تمام ممالک اسلام سے قوم بنی امیہ کو خارج البلد کر کے اپنا تسلط کر لیا۔

بنی امیہ کے بعد بنی عباس سے ایک گونہ امید کی جاتی تھی کہ وہ لوگ سادات کے اس خالصہ کو ضرور واپس کر دیں گے۔ اور اگر اپنی خود غرضی اور حرص دنیاوی کی وجہ سے اور زیادہ اضافہ نہیں کریں گے تو عمر ابن عبد العزیز کی طرح اقطاع فدک وغیرہ کی واگزاشت کا ضرور حکم کر دیں گے۔ مگر ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ ان لوگوں نے باوجود اس کے کہ خمس کی رقوم اور اُس کے اصلی حق داروں کو خوب پہچانتے تھے اور جانتے تھے۔ اور تھا بھی ایسا ہی کہ ان سے بڑھ کر اس کی ماہیت اور اُس کے حقیقی مستحقین کی معرفت کا اور کس کو علم ہو سکتا تھا مگر ان لوگوں نے اپنی قوّت و اختیار اور فرُوتِ اقتدار کے خاص زمانے میں اس کے متعلق اپنی پوری لاعلمی اور بے خبری سے کام لیا۔ اور اپنی تنگدلی۔ جزرسی اور خود غرضی کی بدولت نہ اس کی حقیقت کی طرف کوئی خیال کیا۔ اور نہ اس کے اصلی اور جائز مستحقین کی کوئی پروا کی بلکہ بنی عبد المطلب کی اجمالی فہرست میں اپنے سلسلہ کو بھی خصوصیت کیساتھ داخل اور شامل سمجھ کر اپنے آپ کو اس رقم کے تصرف کا پورا مستحق اور مجاز سمجھنے لگے۔ اور اسی کے ضبط و بسط میں سلاطین عباسیہ خلفائے امویہ سے بھی کہیں زیادہ سخت اور شدید نکلے۔ اُس کی وجہ یہ پائی جاتی ہے کہ بنی اُمیہ یا اُن کے ماقبل کے خلفاء اپنی امارت و خلافت کے دعوے پر اپنے آپ کو رقم خمس کا مستحق سمجھتے تھے۔ ان کے برعکس بنی عباس کو دُہرے استحقاق رکھنے کا دعوے تھا۔ ایک یہی موجودہ خلیفہ اور امیر ہونے کی حیثیت اُنہیں اُس کے تصرف کی

اجازت دے رہی تھی دوسرے وہی بنی عبدالمطلب ہونے کی اضافی صلاحیت ان غلط فہموں کو اس رقم خیر میں دست برد کرنے کے لئے شیر بنائے ہوئے تھی۔ یہی وجہیں تھیں کہ بنی عباس میں السفاح سے لیکر ہارون تک کسی ایک نے بھی اس کا خیال نہیں کیا۔ بلکہ بخلاف اس کے منصور ہی کے وقت سے اس کی تلاش اور دیکھ بھال خاص طور پر ہونے لگی۔ جس کی پوری تفصیل بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں آتی ہے۔

ہارون کے بعد مامون نے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اقطاع فدک وغیرہ کی واگزاشت کر دی تھی۔ جس طرح عمر ابن عبدالعزیز نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔ مگر جس طرح عمر ابن عبدالعزیز نے رقم خمس وغیرہ کی واگزاشت کو اقطاع فدک تک محدود کر دیا تھا اسی طرح مامون نے بھی۔

تاریخ وسیر کی کسی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مامون نے ان اقطاع کے علاوہ اپنے کسی ملکی یا مالی ابواب سے۔ رقم خمس۔ نصاب شرعیہ کے مطابق نکال کر کبھی جناب امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائی ہو۔ یا خود اُن کو اپنے کسی سلطانی حکمنامے اور خسروانی شقۂ خاص کے ذریعے سے ان رقوم کی عام تحصیل۔ قبضہ اور تصرف کا پورا اختیار دے دیا ہو۔ توہم بیشک سمجھتے کہ مامون کو خمس کی حقیقت اور اس کے موجودہ اصلی مستحق کی کامل معرفت حاصل تھی۔ مامون نے اس وقت تک اس کے متعلق جو کچھ کیا تھا۔ وہ اتنا ہی تھا جتنا عمر ابن عبدالعزیز نے۔ پھر مامون کو عمر پر کسی وجہ سے کوئی ترجیح لازم نہیں آتی۔ اس کی نسبت جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ جس تدبیر اور تجویز کے مطابق عمر ابن عبدالعزیز نے سادات کے ساتھ اتنی رعایت کرنے کو مصلحت سمجھا تھا اسی طرح مامون نے بھی اتنی ہی واگزاشت کو اپنے ذاتی اغراض و مطالب کے لئے مفید سمجھ کر جاری اور قائم کیا تھا۔

بنی عباس کے حصول خلافت کے ابتدائی ایام میں جب منصور اور السفاح سادات کے ان حقوق مخصوصہ کو واپس نہ کر سکے تو پھر ان کے بعد اُن کے اعقاب و ذریات سے اس کی واگزاشت کی امید لگانا عقل سے بعید ہے۔ کیونکہ السفاح نے قوم بنی امیہ پر فتح پا کر اُن سے جیسے جیسے انتقام لئے اور جن جن امور کے معاملے میں خاصکر اُن پر۔ اُن کے اہل و عیال پر اور اُن کی جائداد و اموال پر سختی اور تشدد کیا۔ اس سے ظاہر تھا۔ اور وہ خود بھی اپنی زبان سے کھل کھل کر کہتا تھا کہ یہ سب اُن مظالم کے معاوضے ہیں جو بنی امیہ نے کامل سو برس تک سادات کی غریب جانوں پر انواع و اقسام کی صورتوں میں ڈھائے ہیں۔

مگر افسوس السفاح کی یہ رعایت حقوق۔ استحفاظ قرابت صرف دشمنوں کے قتل و غارت ہی تک منحصر تھا۔ اور اس سے زیادہ نہیں۔ مگر وہ مال جو تمام ممالک سے حاصل ہوتا تھا اُس میں سے ایک پیسہ خمس کا نہیں نکالا جاتا تھا۔ اور اس میں سے کوئی رقم سادات کے لئے واجب الادا نہیں سمجھی جاتی تھی۔

اس کی کیا وجہ تھی۔ اس کا وہی باعث تھا جو اوپر لکھا گیا۔ کیونکہ بنی عباس تو خود اپنے آپ کو ان رقوم کا پوری طرح سے مستحق سمجھتے تھے۔ السفاح کے زمانے تک آل محمد اور بنی عباس کی تفریق بہت کم محسوس ہوتی تھی۔ مگر منصور کے وقت سے تخصیص و تفریق پورے طور سے معلوم ہونے لگی۔ مگر خمس کی ضبطی السفاح ہی کے عہد سے عمل میں لائی گئی۔

بُرا ہو اس دولت کا جس کی طمع اور حرص کے مقابلہ میں نہ کوئی قرابت کا خیال کیا گیا اور نہ عزیزداری کی کوئی رعایت۔ ضبط خمس کا انتظام جس طرح ابتدا نے

خلافت کے وقت سے جاری تھا اسی طرح اس زمانے میں بھی بحال رہا۔ اور بنی عباس نے بنی فاطمہؑ کے عزیز و قریب ہونے کی وجہ سے خمس کی موجودہ حالتوں میں کوئی خاص تغیر اور تبدل کرنا بھی مستقلم ہونے کی شان کے خلاف سمجھا۔

غرض کہ اموال خمس کے یہ خاص حالات تھے جو انتظام خلافت کے آغاز سے لیکر بنی عباسیوں کے وقت تک لکھدئے گئے بہرحال مامون نے اپنے زمانہ میں جناب امام علی رضا علیہ السلام کی وفات کے بعد فوراً ہی امامت حیدرین کی طرح جہاں آپ سے اپنی تمام عطا کردہ اشیاء کو واپس لیلیا وہاں اس واگزاشت کو بھی۔ کیونکہ ہم کو تاریخ و سیر کی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضا علیہ السلام کے بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام سے فوراً انقطاع فدک کا انتظام واپس لے لیا گیا اگر یہی وبست حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کیساتھ بحال رکھا گیا ہوتا تو زیادہ مستحسن اور زیبا تھا۔ کیونکہ علاوہ قرابت قدیمہ کے مامون اپنی لڑکی ام الفضل کو آپ کے ساتھ تزویج کر چکا تھا۔ اگر اس رقم میں آپ کا کوئی ذاتی حق بھی نہیں تو اگر موجودہ قرابت کی رعایت سے اس اقطاع کو بطور استمرار آپ کے ساتھ بحال رکھا جاتا تو کوئی بڑی بات نہ ہوتی۔

بہرحال۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے۔ یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز کی واگزاشت فدک کے معاملات میں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز کی کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہیں تھی۔ بخلاف اس کے مامون کے حالات دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں اس نے اپنے اور تمام اغراض نکالنے اور کام بنانے کی ضرورت سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھ اپنی ظاہری رعایت و مروت کو اختیار کیا تھا۔ وہاں ایک یہ بھی تھی۔ اور پھر جب اس کے کام نکل گئے۔ اور مطلب حاصل ہو گیا تو پھر فدک وہی فدک ہو گیا۔ اور اس کے انتظام وہی انتظام۔

مگر ان تمام انسانی تدبیر اور مختلف تجویزیں بھی اگر دیدۂ بصیرت وا ہوں تو ہر شخص بہ آسانی دیکھ سکتا ہے اور دیکھکر فوراً سمجھ سکتا ہے کہ قدرت کے نظام اور مشیت کے احکام کسی وقت اور کسی حالت میں نہ کسی سے رکے ہیں اور نہ رک سکتے ہیں۔ اور اس کی قوت و جبروت کی شان بھی یہی ہے کہ وہ انسان کے تمام ممتنعات کو اپنے آگے آسان بنالے۔ اور انسان کے آسان سے آسان کام کو اگر چاہے تو فوراً ایسا ممتنع الامکان بنادے کہ پھر کسی کی کوئی عقل کام نہ کر سکے اور نہ شعور نہ کسی کا ادراک اس کے اسباب کی تلاش کر سکے۔ اور نہ کسی کا احساس اس کی اصلی حقیقت کو پا سکے۔

جل جلالہٗ وجل شانہٗ

ہر زمانہ اور حالت میں رقم خمس امام وقت سے متعلق رہی

ادائے خمس کی ابتدا و انتہا پر جب تحقیق کی غائر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس کی تاریخ اور فلسفہ دیکھکر خدا کی شان نظر آتی ہے اور کیا۔ واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ یفعل اللہ ما یشاء وھو علی کل شیء قدیر۔ حضرت واہب العطایا نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حد درجہ کا وسیع الاخلاق اور عظیم الاشفاق ثابت کرنے کے لئے اور ان کے عزیزوں۔ قرابت داروں اور رشتہ مندوں کی نگاہوں میں ان کے احسانات و عنایات کا درجہ گراں ہونے کے لئے یہ ایک رقم ایسی علیحدہ کر دی تھی جو ان کے نادار عزیزا اور رشتہ داروں کی گزران

اوقات کا کافی ذریعہ قائم ہو کر اُن کو اس عطائے نبوی کا ممنونِ احسان بنا لی تھی۔ مگر افسوس کہ زمانہ کی خود غرضی۔ نفسانیت اور تنگدلی نے اس خوشنما خوش اخلاقی اور ایثار کے کچھ اور ہی معنے لگائے اور معاذ اللہ اس کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خود غرضی اور اقربا پروری پر محمول کیا۔ اور اس بذل و عطایا کو آپ کی جنبہ داری اور بیجا رعایت سے تعبیر کیا۔ مگرع این راہ کہ میروی بترکستان است۔

اس غلط فہمی اور کوتہ اندیشی نے ایسا خیال کرنے والوں کو حقیقت میں نہ دین کا رکھا نہ دنیا کا۔

ان تمام شبہات اور قیاسات کا یہ نتیجہ نکلا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ رقم خالصہ ضبط ہو کر تخصیص سے تعمیم کے اجمال میں ڈال دی گئی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ نہ خدا کی تفویض پر اعتماد کیا گیا اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تحریری ہبہ نامے پر کوئی اعتبار کیا گیا۔ نہ جناب سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا کی شہادت کی کوئی وقعت سمجھی گئی۔ اور نہ اس متبرک وثیقہ کے مشاہد معتبرین کا خیال کیا گیا جن کی عصمت و طہارت پر آیۂ انما یرید اللہ شاہد ہے۔ اور رسول اللہ آپ گواہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بہرحال یہ انتظام کچھ ایسے وقت سے شروع کیا گیا کہ پھر کبھی کسی وقت میں واپس نہیں کیا گیا۔ خلافت کے عام تسلط اور نفاذ کے زمانے میں بڑے سے بڑے اور سخت سے سخت مجرمین سلطنت کے سینکڑوں ایسے قصور معاف کر دئے گئے جو اصول سیاست اور جہانداری کے مطابق کبھی معافی کے قابل نہیں تھے۔ اُن مجرمین کو معافی کے بعد خلعت عزت و اختصاص کا خاص اعزاز بھی عنایت فرمایا گیا۔ اور وہ پھر اپنے مناصب جلیلہ اور مدارج عالی پر ممتاز فرمائے گئے۔ اور اُن کے محاسن خدمات کی تصدیق بھی کی گئی۔ غرض ہر طرح سے وہ عنایات والطاف کے شایان و سزاوار سمجھے گئے۔ اور اُن کے تمام ضبط شدہ حقوق واپس دئے گئے۔ مگر بخلاف اُن کے تمام بلاد اسلامیہ میں ایک قوم سادات کا ایک ایسا قصور اور انجانی خطا ایسی ناقابل عفو سمجھی گئی جو شروع سے لیکر آخر تک اُن کی قوت توڑنے اُن کا استیصال کرنے اور اُن کا تمام اخبار و آثار مٹانے کی غرض سے ہمیشہ کے لئے معتوب سمجھے گئے۔ اُن کی خراب سے خراب حالت۔ بدتر سے بدتر عسرت کبھی ترحم کے قابل نہیں سمجھی گئی۔ اُنکا موجودہ افلاس تنگی اور ناداری۔ ان کی تادیب و تنبیہ کے لئے ہمیشہ ضروری سمجھی گئی۔ ان کے ضعف اور اضمحلال کو حفظان سلطنت اور استحکام حکومت کی قوت کا بہت بڑا باعث سمجھا گیا۔ اور انہی ضرورتوں کی وجہ سے امرائے امارت اور خلفائے خلافت نے سادات کے جائز حقوق کی کوئی رعایت نہیں کی۔ نہ ان کے حقوق کو واپس کیا اور نہ ان کی حالتوں کو تبدیل ہونے دیا۔ بلکہ عباسیوں نے تو قطعاً اُن کے اصلی حقوق کو اپنا عین المال بنا لیا۔ اور واگزاشت اور واپسی کے موہوم خیالوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے دل سے نکال ہی ڈالا۔

شیعہ رقم خمس ادا کرتے رہے

بہرحال۔ مگر کیا جس طرح ہم اوپر لکھ آئے ہیں اُس رازق مطلق اور مسبب الاسباب برحق نے ان لوگوں کے ضبط۔ قرق اور غصب کر لینے کے بعد بھی یہی حقوق یہی ابواب اور یہی رقوم۔ ان کے اصلی اور جائز مستحقین کو برابر پہنچائے۔ اور اپنے مصدر فیض اور مبدء احسان سے جو رقم ان حضرات کی گذران اوقات کے لئے مقرر فرمائی تھی۔ وہ ہمیشہ

اور برابر ان لوگوں کو عطا فرماتا رہا مختلف ذریعوں
اور متفرق طریقوں سے یہ رقوم اور یہ ابواب۔ اگرچہ
کتنے ہی قلیل کیوں نہوں۔ ان حضرات کو پہنچتے رہتے
اور پھر اس طرح کہ سوائے ان حضرات مخصوصین
کے اور کسی دوسرے غیر مستحقین تک وہ پہنچ سکتے

اب مندرجہ بالا بیان کے متعلق یہ امر تحقیق طلب
رہ جاتا ہے کہ عام طور سے تمام اہل اسلام تو خلیفہ عصر
یا امیر زمانہ کے مطیع ہو چکے تھے۔ اور اسی کے تو بعد
قوانین مجبوریہ کے فرمانبردار اور محکوم۔ تو پھر وہ کون
لوگ تھے جو یہ رقوم ان ذوات عالیہ کی خدمت میں
پہنچایا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں ہم بتلائے
دیتے ہیں کہ یہ وہی معدودے چند حضرات تھے
جو خلافت اول ہی کے انتظام کے وقت سے
اجماع اور ان کے انتخاب کے اصول سے خلاف
ہو کر جناب امیر المومنین علیہ السلام کو جناب رسالت
مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی برحق اور جانشین
مطلق جانتے تھے۔ اور وہ آنحضرت کی نص صریح
کے بعد دوسرے انتخاب اور استخلاف کو محض
ناجائز اور ساقط از اعتبار سمجھتے تھے۔ یہی لوگ شیعہ
علی علیہ السلام کہلاتے تھے جن کے اوصاف شاہ
عبد العزیز صاحب نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھے
ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کو سب کچھ لکھا مگر
اپنی خود غرضی کے باعث ان شیعوں کے خاص
گروہ میں قائلین بیعت سقیفہ کو بھی خواہ مخواہ داخل
کر دیا۔

جناب امیر علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں تقسیم خمس کا اجمالی حالت

جب تک جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب
علیہ السلام ظاہری خلافت پر متمکن نہ ہوئے اس
وقت تک اس رقم کے حالات بالکل پردہ [illegible]

اور کیونکہ نہ ہو؟ اس زمانے تک ان شیعیان اولین
کی جماعت اور تعداد بھی بہت ہی قلیل اور ناقابل اعتبار
مفلوک الحال۔ تنگدست اور نادار تھی جو کسی طرح
ادائے خمس کی استطاعت نہیں رکھتے تھے ہاں
آپ کی ظاہری خلافت کے زمانے میں پورے
پانچ برس تک برابر خمس کی رقم مقررہ بیت المال
کے اجمال سے برابر اسی طرح جدا ہوتی رہی۔ جس
طرح جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے عہد رسالت میں [illegible] ہوتی تھی۔ اور یہ رقم اور
یہ ابواب برابر اسی [illegible] اور وہ آئمہ میں تقسیم
ہوتے رہے جس [illegible] قبیلہ اور عشیرے
کے لئے حضرت [illegible] عطا
فرمایا گیا تھا جناب امیر [illegible] علیہ السلام ایک
یونہی بیت المال [illegible] تقسیم ہی کچھ
احتیاط فرماتے تھے [illegible] کیفیت ہم اس
سلسلہ کی [illegible] اور وہ ایسے
مشہور و معروف [illegible] کسی کتاب
پر موقوف نہیں [illegible] بڑی تمام
کتابوں میں عام طور سے مندرج ہیں۔ تمام بیت
المال کی تقسیم [illegible] فرمائی جاتی تھی۔ اس
سے زیادہ خمس کی [illegible] اس کی تقسیم کے وقت
احتیاط اور اہتمام فرمایا جاتا تھا۔ اور ان اصول مقررہ
اور نصاب [illegible] ان ابواب مخصوصہ
کی تقسیم کے لئے [illegible] جناب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مشروع ہو چکے تھے ایک
سر مو کمی یا زیادتی [illegible] اس کی تقسیم
مخصوص کے وقت [illegible] کا خیال کیا جاتا
تھا اور نہ کسی [illegible] طرفداری کا۔ نہ اس کے
واسطے کسی کے کہاں ذاتی کام آتے تھے نہ محاسن
صفاتی۔ ان امور کی تصدیق میں حضرت عبد اللہ
ابن جعفر علیہ السلام اپنے برادر زادے اور اپنے

عزیز ترین داماد کا واقعہ۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بڑے بھائی نادار اور کثرت سے عیالدار کا گیہوں والا معاملہ۔ جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا اپنی صاحبزادی کے ہار کا قصہ۔ ان حضرات کے علاوہ جناب امام حسن مجتبےٰ علیہ التحیۃ والثنا فرزند اکبر۔ وصی مطلق اور شہید خالص کے حالات موجود ہیں جن سے ہمارے دعوے اور کلام کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوجاتا ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس رقم خاص (خمس) کو کس حزم و احتیاط سے اُن کے جائز اور حقیقی مستحقین پر تقسیم فرمایا ہے۔ اور تمام دنیا کو بتلا دیا ہے کہ اس رقم خاص کے مقرر کرنے اور علیحدہ فرمانے سے خدا اور اُس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلی منشاء یہ تھا۔ جس کو ہم نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس احتیاط اور اہتمام سے پورا کیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا۔ چونکہ ہم کو اس وقت جناب امیر المومنین علیہ السلام کی عدالت اور مساوات فی التقسیم کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس سے زیادہ ان حالات کو بیان نہیں کرتے۔ جس کو تفصیل اور تصریح سے دیکھنا منظور ہو وہ ہماری کتاب سراج المبین جلد اول میں خلافت چہارم کا بیان شروع سے آخر تک دیکھ لے اُس کو یہ تمام حالات پورے طور سے معلوم ہوجائیں گے۔ پھر کسی دوسری کتاب کے دیکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

جناب امام حسن ع کیوقت میں خمس کے حالات

حضرت امام حسن علیہ السلام کی شش ماہہ حکومت کا پورا زمانہ جس غیر اطمینانی اور بدعنوانی میں گزرا وہ کسی کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر ایسے قلیل اور غیر مطمئن زمانے میں اس رقم کی وصولی یا تقسیم کا سراغ لگانا بہت دشوار ہے۔ مگر تاہم صلحنامہ کی عبارت پڑھنے سے اور اُس کی شرائط میں سے شرط پنجم کے دیکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہر حیت کے خراج کی معافی کی شرط جو معاویہ سے کی گئی تھی۔ اور اس کے طلب کرنے کے وجوہ اور واگزاشت کردئے جانے کے اسباب جو ارشاد فرمائے گئے تھے۔ وہ یہی تھے کہ "اس علاقہ کا محصول مجھے معاف کردیا جائے کہ وہ اہلبیت کرام علیہم السلام اور تمام سادات عظام کی گزران اوقات کا ذریعہ ہو۔ اور میں اس رقم مخصوصہ سے ان کے کفاف اور جملہ ضروریات کی خبرگیری کرتا رہوں"

اسلام کی تمام چھوٹی اور بڑی کتابیں پکار رہی ہیں کہ معاویہ نے اُس وقت اپنی گوں گانٹھنے اور مطلب نکالنے کی غرض سے یہ شرط کیا۔ تمام شرائط جو حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کئے گئے تھے سوائے "سب علی علیہ السلام" کے قبول و منظور کرلیں مگر تحریر صلحنامہ کے بعد۔ ان میں سے ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ اور یہ رقم بھی کبھی آپ کی خدمت میں نہ پہنچی۔ مگر وہی بیرونجات کے خالص الایمان اور کامل الولا شیعہ جو منجانب اللہ ان حقوق کو اپنے ذمہ واجب الادا سمجھتے تھے۔ اور اس رقم مخصوصہ کو اس کے مستحقین اصلی کے سوا اور کسی غیر کو پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اپنی ان واجب الادا رقموں کو اپنے اپنے مرکزی مقاموں سے آپ کی خدمت میں بھیجتے رہے مگر بات یہ ہے کہ اُس وقت دنیا میں شیعوں کی تعداد ہی کتنی تھی۔ اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت میں کتنی رقم جناب امام حسن علیہ السلام کو وصول ہوتی ہوگی۔

حضرت امام حسین ع کیوقت میں خمس کے خاص حالات

آپ کے زمانے میں اس کی یہی حالت قائم رہی جناب عبد اللہ ابن جعفر علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی

کا عقد۔ پھر اُن کی اور اُن کی بی بی کی گزرانِ اوقات کے لئے ایک خاص رقم کا مقرر فرما دینا۔ اور اُسامہ ابن زید کے چالیس ہزار قرض کی ادائگی انہی رقوم سے فرمائی گئی۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے وقت میں خمس کے حالات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں تو دنیا میں کہیں شیعہ باقی ہی نہیں رہے تھے عبدالملک کے سخت سے سخت اور شدید سے شدید مظالم نے شیعوں کو ایسا عاجز، تنگ اور پریشان کیا کہ ہزاروں نے ایسی مجبوری کی زندگی سے اپنی موت کو بہتر سمجھا۔ ہزاروں سینکڑوں خاندان ایسے تباہ و سیاہ ہو گئے کہ اُن کی نمود اری اور قومی اقتداری کا آج کوئی اثر دنیا میں پایا نہیں جاتا ہم ان کی مجبوری اور معذوری کی تمام و کمال کیفیت پوری تفصیل و تصریح کے ساتھ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی سوانح عمریوں میں دو مختلف مقاموں میں لکھ چکے ہیں۔ اس لئے ان حالات کے لکھنے کی بارِ دیگر کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں مختار علیہ الرحمۃ نے ایکبار چار ہزار دینار خمس کے آپ کی خدمت میں بھیجے تھے۔ آپ نے وہ رقم رکھ لی اور اُس سے بنی عبد المطلب کی اُن نا کتخدا لڑکیوں کا عقد کر دیا جن کے والدین اپنی موجودہ ناداری اور تنگدستی کے باعث اُن کے معاملات سے اپنی سبکدوشی حاصل کرنے کا کوئی سامان نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے جو کچھ بچا وہ آل ابی طالب علیہ السلام کے اُن افتادہ مکانوں کی مرمت میں صرف کیا گیا جو مدت سے ٹوٹے ہوئے کھنڈر پڑے تھے جن کے گر جانے اور برباد ہو جانے کی وجہ سے مدینہ منورہ میں اُس وقت یہ تمام سادات (آلِ عقیل) سخت تکلیف کی حالت میں سالہا سال سے بسر کر رہے تھے تاریخ و سیر کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی طرح مختار رحمۃ اللہ علیہ نے ایکبار اور اُس سے زیادہ یا اس سے کم روپیہ آپ کی خدمت روانہ کیا۔ آپ نے اسے لے تو لیا۔ مگر اسے صرف نہ فرمایا۔ بلکہ حکم دیا کہ زمین میں دفن کر دیا جائے جب عبد الملک کی سلطنت کا آغاز ہوا۔ اور وہ مدینہ میں آیا تو وہ تمام و کمال رقم آپ نے اُسی وقت عبد الملک کے حوالہ کر دی۔ اور اُس میں سے ایک حبہ بھی اپنے لئے نہیں رکھا۔

یہ ہے امام منصوب من اللہ کی شان۔ یہ ہے اُس حجۃ اللہ فی الارض کے استغنا اور احتیاط کا کمال اور اُس کی سچی مثال اس واقعہ سے پورے طور پر ظاہر ہو گیا کہ جس طرح یہ ذوات مقدسہ رقم خمس کے تصرف کے لئے اپنے سوا کسی دوسرے کو مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ اُسی طرح سوائے اُس رقم مخصوصہ کے جو منجانب اللہ و منجانب الرسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اُن کے لئے علیحدہ کر دی گئی تھی۔ دوسری رقوم میں اُن کو دست اندازی کا کوئی حق باقی نہیں ہے۔ اس واقعہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک بار ایک رقم کو اپنے مصرف کے قابل نہ سمجھا۔ بلکہ اسے حاکم وقت کے حوالے فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رقم آپ کے لئے جائز اور مباح تھی۔ اور دوسری ناجائز اور حرام پہلی رقم جو مختار علیہ الرحمہ نے آپ کی خدمت بابرکت میں بھیجی وہ خاص خمس کی رقم تھی۔ جو انہوں نے غنیمہ عراق سے علیحدہ کی تھی۔ اور دوسری رقم جو آپ کے پاس روانہ کی گئی وہ رقم خراج تھی جو حلال طریقے سے نہیں نکالی گئی تھی۔ اور آپ اُس کے

تصرّف کو خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔ اس لئے پہلی رقم تو منظور بھی کر لی گئی۔ اور بحساب نصاب شرعیہ جائز مستحقین کے مصارف میں لائی بھی گئی۔ باقی دوسری رقم چونکہ تصرّف کے قابل نہیں تھی۔ اس لئے وہ اسی طرح مسلّم زمین میں امانت رکھ دی گئی۔

اس کے رکھ لینے میں یہ مصلحت تھی کہ اُس زمانے میں مختار کا عروج و اقبال عرش الکمال تک پہنچا ہوا تھا۔ آپ کی حسن تدبیر اور مآل اندیشی ہرگز اس امر کی مقتضی نہیں ہوئی کہ اُس کی ایسی ترقی اور عظمت کے زمانہ میں اُس کی رقم مرسلہ کو واپس اور مسترد کر کے جس کی ماہیت اور اصلیت سے وہ واقف نہیں ہے۔ اور اُس کے جائز اور ناجائز استحقاق اس کو معلوم نہیں تھے۔ اُس کی دل شکنی کی جائے جس سے انواع و اقسام کی دقت اور دشواریوں کا خیال تھا۔ اس وجہ خاص سے آپ نے اُس رقم کو واپس تو نہ دیا بلکہ رکھ لیا۔ مگر چونکہ اُس میں کسی قسم کا تصرّف آپ کی احتیاط کے لئے جائز نہیں تھا۔ اس لئے اُسے ویسے ہی مسلّم چھوڑ دیا۔ جب مختار کا زمانہ تمام ہو کر عبدالملک کے تسلّط کا وقت آیا تو وہ تمام و کمال رقم اُسے دیدی۔

کہاں ہیں حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کو بہ خاک بدہان ایشان بادہ، ملکی بغاوت بتلانے والے حضرات۔ اگر اُن کی آنکھوں میں کچھ بھی بصیرت کا مادہ باقی ہوگا تو وہ اسی واقعہ سے دیکھ لینگے اور بخوبی سمجھ لینگے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی موجودہ عزلت نشینی۔ بیکاری اور ناداری کی حالتوں میں بھی۔ اپنے استغنا۔ حفاظت اور جگرداری کی کیسی لاجواب مثال دکھلا دی ہے۔ جس کی نظیر سے دنیا کے بڑے بڑے کارنامے خالی پڑے ہیں۔

کیا کسی معمولی فطرت اور عام طبیعت والے انسان سے اتنی کثیر رقم پا کر اتنی احتیاط اتنی تمیز اور تخصیص قائم رکھنے کی امید کیجا سکتی ہے؟ یا اس کی کبھی ایسا یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ایسے موقع پر جائز اور ناجائز۔ مُباح یا غیر مُباح کا خیال کر کے اپنی روزانہ ضرورتوں اور ناگزیر مصارف میں اتنا ضبط اور تحمل اختیار کرے گا۔ نہیں کبھی نہیں۔ یہاں تو معمول اور عامیانہ فطرت کی جگہ نورانی خلقت اور نورانی ترکیب کا ذکر ہے۔ جو دنیا میں ھدًی للنّاس و بیّنٰت من الھدٰی کی مثال دکھلانے اور ثابت کرنے کے لئے مخلوق فرمائے گئے تھے۔ پھر اُن سے کسی امر خلاف کا صدور کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ارادوں میں جس طرح سے اس زمانۂ موجودہ میں بہت سے نواصب اور خوارج کا عقیدہ ہو رہا ہے۔ بغاوت یا سرکشی کا خیال ہوتا تو وہ حضرات کبھی ایسی احتیاط اور استغنا پر قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ اُن کی ملکداری اور جہانبانی کی ضرورت سے اُن کے لئے نہایت ضروری اور مفید تھا کہ وہ حتّی المقدور سلطنت کے جاری اور مروّجہ ابواب میں جہانتک ہو سکے خلل ڈالیں۔ اور اُن کی مقررہ اور مستمرہ رقوم پر حتّی المقدور اپنا قبضہ اور تصرّف کریں۔ جو اُن کے حصول مطالب اور مقاصد کے لئے باقتضے المرام ضروری اور نافع تھا۔ ان بزرگواروں کے مکارم حالات پر جہاں تک غور کیا جاتا ہے وہ سب سرکا اور قطعی دست بردار ثابت ہوتے ہیں۔ اور اُنکی موجودہ نیک نفسی اور اصلاح مزاجی سے پورے طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کی نسبت یہ مغالطے اور شبہ صریح اتہام اور جھوٹے الزام اور اُنکی کوئی اصل نہیں ہے۔ اگر حقیقت میں ان الزاموں کی اصل ہوتی تو وہ ضرور خلافت کے تمام رقوم اور ابواب کی روک تھام کی سب سے پہلے فکر فرماتے۔

بہرحال۔ جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کے اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ آپ کے دل میں

کبھی ایسے فاسد عقیدے اور ارادے نہیں تھے عبدالملک کو کامل تین برس کے بعد رقم خراج واپس دینے نے ہمیں بتلا دیا کہ آپ کبھی اُن رقوم کی طرف اپنی نظر خراب کرنا نہیں چاہتے تھے جس کے صرف کرنے کا کوئی حق خدا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف سے آپ کو نہیں دیا گیا تھا۔ اور کبھی آپ ان رقوم پر نا اپنا کوئی قبضہ یا تصرف کرنا نہیں چاہتے تھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کیوقت میں رقم خمس کے خاص حالات

بہرحال۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے وقت تک تو خمس کے حالات معلوم ہوئے۔ آپ کے بعد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ابتدائی زمانے میں شیعہ گروہ کی پریشانی اور بے سروسامانی کی ویسی ہی حالت قائم رہی۔ جو پہلے تھی۔ مگر آپ ہی کے زمانے میں عراق۔ واسط اور حدود فارس کے شیعوں نے پھر اپنی عقیدت اور خلوص کا اظہار شروع کر دیا۔ اور ان امور میں اپنے قدم حدود اعتدال سے اتنے باہر کر دئے کہ سلطنت سے مقابلہ ومقاتلہ پر بالکل راضی آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ مگر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی مآل اندیشی عاقبت بینی اور حسن تدابیر نے کسی طرح ان کو پسند نہ فرمایا۔ اگرچہ ہشام نے آپ کی آزاد دہی۔ ضرر رسانی اور قتل وہلاکت کی کوششوں میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ لیکن آپ نے ان امور میں اس کی نابجا اور کیفر کردار حرکات کا کوئی لحاظ اور خیال نہیں کیا۔ پُرجوش شیعہ گروہ کو جو سلطنت کی جان اور اپنی جان کو ایک کرنے کے لئے موجود اور مستعد تھے۔ نہایت سخت تاکیدوں سے منع کیا۔ اور ان امور سے باز رکھنا چاہا۔ اس امر خاص میں بہت بڑی دشواری جو آپ کو پیش آئی وہ آپ کے چھوٹے بھائی زید ابن علی علیہ السلام کی کوفیوں کے ساتھ سازش تھی۔ جو ایک مدت سے اپنی شیعیت کی ظاہری نمائشوں میں نفاق اور عام فتنہ وفساد کا پورے طور سے اظہار کر رہے تھے۔ حضرت زیدؒ نے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی رائے سے اہل کوفہ کا ساتھ دیا۔ اور ان لوگوں نے جناب زیدؒ کو بنی امیہ کے خلاف خوب خوب اُبھارا اور ہشام سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے پر بالکل راضی اور آمادہ کر لیا جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے اس امر خاص میں بھائی کو چند بار مختلف اقوال وارشاد کے رو سے سمجھایا اور باز رکھنا چاہا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ اپنے ارادے سے پورے طور پر باز تو آئے نہیں۔ مگر ہاں۔ اپنے برادر عالیمقدار کے زمانہ حیات تک سلطنت کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ہاں آپ کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے حقوق جائز کے واپس لینے کی کوششوں میں اپنی جان اور دشمن کی جان ایک کر ڈالی۔ کچھ عراق کے شیعہ گروہ ہی نے حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ بلکہ اور لوگوں نے بھی یہانتک کہ ابو حنیفہ نے خود بھی ان کی بیعت کی اور تمام عراق کے لوگوں کو اُن کی متابعت اور اطاعت کی ترغیب دلوائی۔ اسلامی تاریخوں سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت زیدؒ کی اطاعت اور عقیدت میں اس قدر پرجوش تھے کہ تمام اہل اسلام سے اُن کے لئے خراج وصول کرتے تھے چنانچہ عین موقع جنگ پر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے خود تو نہ آ سکے۔ مگر چار ہزار روپیہ جو مسلمانوں سے جمع کئے تھے وہ حضرت زیدؒ کی خدمت میں بھیجکر اپنی طرف سے عذر خواہی لکھ بھیجی۔ اب چاہے یہ چار ہزار رقم ملکی خراج سمجھی جائے۔ یا خمس دونوں صورتوں میں ہمارا مقصود حاصل ہے۔

اگر امام ابوحنیفہ نے جناب زیدؓ کو استحقاق فی الخلافت
کے اعتبار پر یہ رقم ملکی خراج میں بھیجی تھی۔ تاہم آپ
کے استحقاق فی الخلافت ہونے کی تصدیق امام
اعظمؒ کے خاص طرز عمل سے ثابت ہو گئی۔ اور
اگر استحقاق فی القربت الی الرسالت کے اصول
پر یہ رقم خمس کی وصول کر کے بھیجی گئی تھی تاہم ثابت
ہو گیا کہ ابوحنیفہ کے نزدیک اس رقم مخصوصہ کے
تصرف کا حق سوائے حضرت زیدؓ کے اور کسی کو
حاصل نہیں تھا۔

بہر حال۔ امام ابوحنیفہ صاحب کے قیاسات کے
جہاں اور طومار ہیں۔ وہاں امامت زیدؓ کا بھی ایک
چھوٹا سا ضمیمہ لگا ہوا ہے۔ اور یہ اُن کی ڈیڑھ اینٹ
والی مسجد آج تک دنیا میں یادگار ہے۔ ورنہ جناب
امام محمد باقر علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت زیدؓ کو
اصول قربت یا خلافت کے اعتبار پر منتخب کرنا اور
اموال خمس۔ خراج یا عام بیت المال اسلامی کے
تصرف کا پورا مستحق سمجھنا انہی کے قیاس کا کام تھا
اور کسی کے عقل و شعور کا نہیں۔

مگر اس بیجا اور غلط ترجیح سے جو کچھ امام صاحب
کا مقصود تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے
کہ جناب زید شہیدؓ سے مستفید اور مستفیض ہونے
کی جتنی امید اُن کو لگی ہوئی تھی اتنی حضرت امام محمد باقر
علیہ السلام سے نہیں۔ کیونکہ ایک مدت تک آپ
کی خدمت میں تحصیل علوم کی ضرورت سے حاضر رہ کر
ابوحنیفہ کو اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ یہ سلطنت کے
خلاف اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ آپ
کی موجودہ امن پسندی۔ سلامت روی اور حسن
تدبیر کسی وقت اور کسی حال میں آپ کو بغاوت [illegible]
اور فساد کے پاس جانے کی اجازت نہیں دیتی تھی
اور نہ آپ خود اپنے لئے اور نہ اپنے شیعوں کے لئے
[illegible] وش اور اس انداز کو مصلحت سمجھتے تھے۔ انہی

وجہوں سے امام صاحب کو حضرت زید شہید رحمۃ اللہ
علیہ کی اطاعت اختیار کرنے کی مجبوری ہوئی اور
انہوں نے تمام اہل عراق کے آگے ان کو واجب
الاطاعت قرار دیا۔ مگر چونکہ مشیت کے نظام اور
قدرت کے احکام امام صاحب کی تجویزوں کے خلاف
تھے۔ اس لئے حضرت زید شہیدؓ کو تو وہ دن دیکھنے
نصیب ہوئے جن کی پوری تفصیل اور کیفیت اُن کے
برادر عالی مقدار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اُن کو
پہلے ہی بتلا چکے تھے۔ اور امام صاحب کو آخر سخت
پشیمان اور پریشان ہو کر ہشام کے دربار میں حاضر
ہونا پڑا۔

بہر حال حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے
زمانے ہی میں عراق۔ حدود فارس اور مشرقی بلاد
اسلامیہ کے شیعہ گروہ اپنے اپنے وکیلوں کے ذریعہ
سے رقم خمس کو آپ کی خدمت میں بھیجتے رہتے [illegible]
ابن زیاد نے ہشام کے پاس جا کر جہاں آپ کی طرف
سے انواع و اقسام کی شکایتیں کیں۔ وہاں ایک یہ
رقم خمس کی وصولی کی بھی اطلاع کی تھی۔ ہشام نے اگرچہ
امتناع خمس کے لئے کوئی خاص طور پر حکم نہیں دیا
مگر اسی وقت سے آپ کی جان لینے کی فکر میں مبتلا
ہو گیا۔ اور آخر کار زہر قاتل کے ذریعے آپ کو شہید
ہی کر ڈالا جس طرح کہ کتاب ہذا کے آخر میں یہ تفصیل
بیان ہو چکا ہے۔

اگرچہ سلطنت کو ہشام ہی کے وقت سے سادات
کرام علیہم السلام کی نسبت ان حقوق کے لینے کی خبر
مل گئی۔ مگر اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی
امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے میں شیعہ آبادی
میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اور نہ اُن لوگوں کو پوری
آزادی نصیب ہوئی [illegible]
[illegible] کے لوگ اس زمانے
میں بالکل آزاد ہو گئے۔ نہیں آزادی تو [illegible]

مگر بات یہ ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کی امن پسندی کی حسن تدبیری اور آپ کے ارشاد ہدایت کو ایسی ہی شہرت حاصل ہوئی کہ وہ تمام اہل اسلام کے قلوب کو عام اس سے کہ اُن کو آپ کے ساتھ ارادت و عقیدت کا کوئی ذریعہ ہو یا نہ ہو۔ پورے طور سے مسخر کر چکی تھی۔ اور عموماً ہر شخص آپ کی منابعت اور فرمانبرداری کو اپنی سعادت اور افتخار کا باعث سمجھتا تھا۔ اس لئے عراق۔ شام۔ الجزائر۔ حدود فارس اور مغربی مصر کے بہت سے لوگ شیعہ گروہ میں داخل ہو گئے۔ اور یوں شیعوں کی سابق تعداد میں پہلے سے خاص طور پر اضافہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جب تعداد نفوس میں زیادتی ہوگی تو خمس کے شمار رقوم میں بھی ضرور اضافہ ہوا ہوگا۔

جناب امام جعفر صادق عم کے وقت میں شیعہ گروہ اور رقم خمس کے حالات و واقعات

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کے بعد جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے زمانے میں بنی امیہ کی انتہا اور بنی عباسیوں کی ابتدائی ہوئی۔ اور اس عام پریشانی اور عیر اطمینانی کے زمانے میں دنیا کے طامع اور حرص پرستوں نے اس رقم کی طرف جو سلطنت کی دیگر رقوم کے مقابلہ میں کوئی وجود اور حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ خیال نہیں کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے زمانۂ امامت میں شیعہ گروہ کو جیسی کچھ ترقی ہوئی اور اس ترقی کے ساتھ تھوڑی بہت جیسی کچھ اُن لوگوں کو آزادی نصیب ہوئی وہ عموماً سب کو معلوم ہے اس بیان کی تصدیق کے لئے یہی کافی ہے کہ شیعہ گروہ اس وقت تک کسی خاص بزرگوار کے نام سے مشہور نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ عام طور سے اس فرقہ کو شیعہ اثنا عشری کہتے ہیں۔ اور حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السّلام کے مقدس طبقے میں کسی خاص بزرگوار کے نام سے یہ لوگ پکارے نہیں جاتے سوائے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے اگر شیعہ کو پکارا جاتا ہے تو آپ ہی کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ۔ اور اگر کسی بزرگ سے نسبت دی جاتی ہے تو آپ ہی کی ذات ستودہ آیات سے آج جس شیعہ سے اُس کے اصول عقائد کی نسبت دریافت کیا جاوے تو جھوٹتے ہی یہی کہے گا کہ جعفری باش گر خدا خواہی ورنہ در ہر طریق گمراہی ✦

اس میں شک نہیں کہ آپ کے عہد امامت میں شیعہ گروہ نے آبادی اور آزادی دونوں اعتبار سے کافی اور خاطر خواہ ترقی کی۔ آزادی کی وجہ تو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ سلطنت مخالف (بنی امیہ) کو اپنے موجودہ مخالف (بنی عباس) کی مدافعت سے فرصت کہاں تھی۔ جو ملک کی معمولی نسکابیوں کی طرف کوئی خاص توجہ کرتے۔ بنی امیہ کو خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ عموماً سادات بنی فاطمہ علیہا السّلام کی کیا خبر لے سکتے تھے غرض عبّاسیوں کا پورا تسلط اور بنی امیہ کا کامل استیصال ہو گیا۔ اور مروان الحمار کو ساحل عرب چھوڑ کر ممالک افریقہ میں جلاوطنی کرنی ہوئی اور اسی صعوبت اور ذلت میں بنی امیہ کے خاتم السلاطین کا خاتمہ ہو گیا۔

چونکہ السفاح عباسی کے زمانہ حکومت تک بنی عباسیوں نے اپنی طرف سے کسی قسم کی تفریق اور اختلاف کا اظہار نہیں کیا تھا اس لئے اُس کے عہد سلطنت تک بنی فاطمہ علیہا السّلام اور بنی عبّاس ایک ہی سمجھے جاتے تھے۔ اور ہم نے جہاں تک اس امر پر غور کیا ہے۔ بات بھی کچھ ایسی ہی پائی جاتی ہے۔ اس اخلاص و اتحاد باہمی کی اصلی وجہ یہی تھی کہ اس زمانہ تک بنی عباسیوں نے اوّل تو اپنے تسلط

اور استحکام کے ضروری انتظاموں سے فرصت ہی نہیں پائی تھی۔ دوسرے یہ کہ اس وقت تک اُن کی طبیعت میں ابھی حرص آئی تھی اور نہ طمع۔ نہ اس وقت تک اُن کو حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے رشک، حسد، بغض اور مخالفت پیدا ہوئی تھی۔ اس وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں پوری آزادی مل گئی۔ اور اس زمانہ میں شیعہ گروہ نے نہایت اطمینان و فراغت سے اپنے اپنے مقام پر اپنی [illegible] اور گزران اوقات کے مشاغل شروع کر دئے تھے۔ اگرچہ سفاح کے بعد منصور کی ذاتی تنگدلی اور کنجوسی نے جہاں تمام امور میں اپنا اظہار و اعلان کیا وہاں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاملات میں بھی منصور نے اس قرابت کو بہت جلد مغایرت سے تبدیل کر دیا۔ اور آپ کی عظمت و جلالت کو ہتک حرمت اور ذلت کے ساتھ متغیر کر دیا۔

مسلمہ جلال اور ابو مسلم مروزی کی خط و کتابت اور آپ کے انکاری جواب کو وہ خوب جانتا تھا۔ تاہم یہ کانٹا نکال ڈالنے کے لئے وہ صرف موقع اور وقت کا منتظر رہتا تھا۔ جب السفاح کے بعد اس کو خلافت ملی اور منصور چاروں طرف سے مطمئن اور فارغ البال ہوگیا۔ تو اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مخالفت کے دروازے کھول دئے۔ اور اپنی کوتاہ عقلی کی وجہ سے آپ کو امیدواران خلافت اور طلبگاران امارت سے جاننے لگا۔ صرف اس غلط شبہے پر کہ ابو مسلمہ جلال اور ابو مسلم نے آپ کو خط لکھے تھے۔

اگر منصور کی آنکھوں میں حقیقت کا نور اور اس کے دماغ میں دریافت احوال کا کچھ بھی شعور ہوتا تو وہ دیکھ لیتا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایسے بزرگ کی نسبت اس امر خاص میں تو کسی طرح کا کوئی شبہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ یہ آپ ہی تھے جنہوں نے مقام ابواء والی مجلس میں عبداللہ محض اور تمام بنی حسن کو صاف صاف لفظوں میں بتلا دیا تھا کہ یہ خلافت بنی ہاشم کے موجودہ قبیلوں میں سے کسی خانوادے کو نصیب ہونے والی نہیں ہے سوائے بنی عباس کے۔ اور اُن میں کا پہلا امیر (منصور کی طرف اشارہ کر کے جو اس وقت زرد عبا پہنے ہوئے تھا) یہ زرد عبا والا ہوگا۔

ہم اس مضمون کو پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ اپنے موجودہ سلسلے کے نمبر ۲ میں لکھ آئے ہیں۔ مگر برا ہو اس دنیا کا۔ اور [illegible] اس کی [illegible] جس نے ان تمام واقعات کی موجودگی اور مقابلے میں بھی منصور کو اور الٹ حقیقت اور درایت اصلیت سے مجبور و معذور رکھا۔ اور آخر کار اس نے اسی خیال سے آپ کو مدینہ منورہ سے اپنے پاس بغداد بلا بھیجا۔ اور پھر بغداد سے کوفہ اور کوفہ سے بصرہ اور بصرہ سے بغداد میں ایک خاص مدت تک نظر بند رکھا۔

مگر [illegible] حضرت امام جعفر صادق [illegible] [illegible] ان [illegible] [illegible] خدا [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] ان تمام باتوں کو [illegible] جانتا [illegible] [illegible] نہیں جانتے ہیں۔

الغرض منصور نے تو آپ کے ارشاد و ہدایت کی روک تھام کے لئے یہ ترکیب کی تھی مگر مشیت کے تقاضا اور قدرت کے احکام یہ اس کا نتیجہ

بالکل برعکس دکھلادیا۔ بجائے اس کے کہ ان مقامات میں آپ کی نسبت ناپرسانی۔ بیقدری اور عدم توجہی کی عام کیفیت پیدا ہو۔ ان تمام مقامات میں اہل اسلام کے تمام طریقے اور فرقے کے لوگ آپ کی طرف اس کثرت اور رغبت سے رجوع ہو گئے کہ کبھی ایسا مرجع اور ایسی کثرت منصور کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی ہوگی۔

کوفے۔ بصرے اور بغداد کے کثیر التعداد لوگ اپنے اپنے غلط مسلک سے تائب ہو کر آپ کی اطاعت اور متابعت کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھنے لگے۔ اور نہایت خلوص اور ولا سے آپ کی عقیدت اور ارادت کا دم بھرنے لگے۔

خاص شیعہ گروہ کی آزادی میں اتنی ترقی ہوئی کہ صرف اُن کے عقائد کے متعلق چار سو کتابیں تصنیف و تالیف ہو کر تمام شیعہ آبادی میں ذائع اور شائع ہوئیں۔ اور شیعہ اجتہاد مختلف مقامات پر قائم ہو گئے۔ خصوصاً عراق۔ حدود فارس۔ آذربائیجان قم دینور۔ واسط۔ رے اور مغربی مصر میں شریعت اہلبیت علیہم السلام کے احکام عام طور سے نافذ ہو گئے۔ بہت سے وہ بزرگوار جو جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مدت تک حاضر رہ کر تحصیل علوم سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ اور اُن کے آداب۔ اخلاق اور تمامی عملی محاسن امام علیہ السلام کے نزدیک قابل اعتبار ثابت ہو چکے تھے۔ اس لئے یہ حضرات ان تمام مقامات میں اجتہاد کی خدمات بجالانے کے لئے خاص طور پہ ماذون فرمائے گئے۔

ہم کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی مقدس صحبت میں ایسے باکمال بزرگوں کی مجمع پر نورانی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ ان حضرات میں ہشام ابن الحکم۔ ابن ابی یعفور۔ مومن الطاق ابوبصیر ثمالی وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم خصوصیت کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں۔ یہ وہ کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بزرگوار تھے جن کی ذی استعدادی، جامعیت اور قابلیت تمام عرب کے لئے مایۂ ناز اور سرمایۂ اعزاز سمجھی جاتی تھی۔ اور ہر شخص اُن کے فضل و کمال کے اعتبار سے اُن کی قدر و منزلت کو اپنا افتخار شمار کرتا تھا۔

یہی حضرات بیرونی شیعہ آبادیوں میں ہدایت و ارشاد کے فرائض انجام فرماتے تھے۔ اور اجتہاد کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے فیض و ارشاد نے شیعہ گروہ کی تعداد میں ایسا نمایاں اضافہ فرمایا تھا جو آج تک کسی زمانے میں نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ مخالف شریعتوں نے عراق، حجاز، مصر، شام اور الجزائر تمام مقامات پر ان حضرات سے مقابلہ کیا اور حتے المقدور اس کی تعلیم و تلقین میں رکاوٹ اور بے ضرورت ممانعت پیدا کرنی چاہی۔ مگر ان حضرات نے ان تمام مقامات پر اپنے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے ان کی تمام تعریضوں کی ایسی تردید اور قطع و برید فرمائی کہ پھر اُن میں سے ایک کو بھی لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔

بہرحال منصور کے نصف زمانہ امامت تک تو اس کی ترقی اور آزادی کی یہی صورت قائم رہی۔ مگر ہاں جب اُس کے دل میں حرص دنیاوی اور طمع دولت نے گھر کیا۔ اور اُس کو استحکام سلطنت کی فکروں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر تو رفتہ رفتہ اس کی مخالفت اور مخاصمت کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقابلہ میں ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت کوفی کو جو ایک مدت سے آپ کے خوان احسان اور الوان نعمت کا ذلہ ربا اور آپ کے گلشن فیض اور چمن ارشاد کا خوشہ چین تھا۔ تمام ممالک اسلامی کا مفتی اور قاضی بنا کر منصور

کی اس مخالفت اور مخاصمت کے تفصیلی حالات اور مشرح واقعات ہم آثار جعفریہ میں لکھ آئے ہیں۔ مگر کیا منصور کے اس مخالفانہ طرز عمل سے شیعہ گروہ کے عقائد اور ارادت میں کوئی فرق آیا۔ نہیں وہ اسی طرح اپنی شریعت کے احکام پر قائم اور مستقل رہے ہاں اتنا تو ضرور ہوا کہ سلطنت کے دشمن ہو جانے کی وجہ سے اُن کی اگلی آزادی میں ضرور فرق آگیا۔ اور وہ فی الحال ایک خاص حد تک ضرور محدود ہو گئے۔ موجودہ حالتوں میں ہر قسم سے سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ اس وقت میں رقم خمس اور زمانے سے زیادہ وصول ہوتی ہوگی۔ اس میں شک نہیں۔ بات تو ایسی ہی کچھ جہاں تک تحقیق کی گئی ہے۔ ثابت ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس زمانے میں حجاز کے مشرقی اور ایران کے مغربی حصوں میں شیعہ آبادی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور یہاں کی شیعہ رعایا نصاب شرعیہ کے مطابق اپنے فرائض خمس کی ادا کاریوں سے ہمیشہ اور برابر سبکدوش ہوا کرتی تھی۔ اور اس رقم مخصوصہ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچایا کرتی تھی۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں رقم خمس کے حالات

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے عہد امامت میں یہ ابواب پھر بند ہو گئے۔ اور ہارون کے ظلم و تشدد کی وجہ سے شیعیان حیدر کرار اور موالیان اہلبیت اطہار علیہم السلام کو پھر وہی زمانہ دیکھنا نصیب ہوا جیسے وہ چند روز پیشتر سلاطین امویہ کے عہد سلطنت میں دیکھ چکے تھے۔ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام باوام الجہات قید کئے گئے۔ اور جب تک شہید نہ کر لئے گئے۔ حبس کی مصیبت سے نہ چھوڑے گئے۔ آپ نے مدینہ منورہ سے چلتے وقت تین شخصوں کو وصولی خمس کا اختیار دے دیا تھا۔ اور تمام شیعوں کے نام حکمنامہ عام لکھ دیا کہ میری غیبت میں اپنی اپنی رقم خمس انہی لوگوں کو دیا کریں اور انہی کے پاس جمع کیا کریں یہ تینوں شخص عراق کے رہنے والے تھے۔ ایک صاحب کوفے میں رہتے تھے دوسرے بصرے میں اور تیسرے علاقہ اہواز میں۔ اور اس طرح سے کوفہ۔ اہواز۔ حضرموت۔ رقہ۔ شام اور فلسطین وغیرہ کے شیعہ باشندے کوفے میں اپنا اپنا خمس جمع کرتے تھے۔ اور بصرہ میں ماوراء النہر۔ الجزائر۔ یمن کے رہنے والے اہواز میں حدود فارس اور مغربی مصر کے لوگ اپنی اپنی رقم جمع کرایا کرتے تھے۔ مگر بُرا ہو اس دولت دنیا کا۔ کہ ان لوگوں نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اس مرتبہ افزائی اور عنایت فرمائی کی کچھ قدر نہ جانی اور آپ کی وفات کے بعد ستر ہزار دینار۔ رقم خمس جو اُن لوگوں کے پاس شیعوں نے امانت رکھوائی تھی بالکل ہضم کر گئے۔ اور جناب امام علی رضا علیہ السلام کو اس رقم میں سے ایک کوڑی بھی نہیں دی۔ اور اپنی طرف سے اُلٹی چوری اور سینہ زوری یہ دکھلائی کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے یہ بیان کیا کہ آپ کو ہم لوگوں سے اس رقم کے لینے اور وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جیسا کہ پوری تفصیل کے ساتھ تحفۂ رضویہ میں قلمبند ہو چکا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے زمانہ میں رقم خمس کے حالات

مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً کے قیام تک حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے عہد امامت میں تمام شیعہ رقم آپ کی خدمت میں براہ راست حاضر کرتے رہے اور مامون کی طرف سے بھی اس میں کوئی روک تھام نہیں کی گئی۔ جو قابل شکایت سمجھی جاتی۔ اس لئے یہ رقم جس قدر اور جس انداز سے آپ کی خدمت

میں پہنچائی جاتی ہو۔ وہ کسی وکیل اور معتمد علیہ کے ذریعہ اور وسیلے سے نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ ہارون کے زمانے کی ایسی جناب امام علی رضا علیہ السلام کو مامون کے وقت میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اور نہ شیعوں پر اُس کی ادائیگی کے لئے کوئی جبر و تشدد کیا گیا۔ ہاں جناب امام علی رضا علیہ السلام کے آخر زمانے میں تین برسوں تک اس میں ضرور سلطنت کی طرف سے دست اندازی اور مداخلت ہوتی رہی اور وہ اس باعث سے کہ آپ مامون کے پاس مرو میں چلے گئے تھے۔ اور وہاں آپ کی ولیعہدی کا مسئلہ آغاز ہو گیا تھا۔

مرو میں تشریف رکھنے کے وقت تک رقم خمس کی وصولی کا پورا حال تحقیق کے طور پر معلوم نہیں ہو سکا

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانے میں وصولی خمس کی حالت

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانے میں بھی وصولی خمس کی وہی کیفیت ہوئی جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے عہد امامت میں تھی۔ اور آپ کی امامت کا زمانہ ایسا قلیل گزرا کہ اس کی نسبت کوئی تفصیلی حالات معلوم ہی نہیں ہو سکے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے زمانے میں خمس کی وصولی کے حالات

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اوائل امامت تک تو اس کی سابق حالت قائم رہی۔ اور معتصم اور واثق باللہ کے زمانوں تک ان رقوم کی نسبت کوئی مداخلت یا ممانعت نہیں کی گئی۔ متوکل کا بیٹھنا تھا کہ اس میں انواع و اقسام کی رکاوٹیں پیدا کی جانے لگیں۔ اور چونکہ فطرتاً یہ حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کا جانی دشمن تھا۔ اسی لئے اس نے اپنے زمانہ حکومت اور دوران سلطنت میں اس رقم کو آپ حضرات کے لئے چاروں طرف سے بند کر دیا۔ اس کی امتناع کے لئے تمام ممالک اسلامیہ میں سخت تاکیدوں کے ساتھ احکام پر احکام شائع اور نافذ کئے گئے۔ اور تاکید شدید کے ساتھ خوف دلانے اور سخت ڈرانے والے الفاظ میں عام طور سے یہ لکھا گیا کہ کوئی شخص قلمرو اسلامی میں یا کسی ملک کے ایسے حصے میں جو موجودہ خلافت بغداد کے زیر اثر ہو چکا ہو۔ جناب امام علی نقی علیہ السلام یا کسی سید کو رقم خمس ادا نہیں کر سکتا۔ جو شخص اس حکم کے خلاف کرے گا وہ خود بھی ان لوگوں (سادات) کی طرح سلطنت کا مجرم۔ قصوروار۔ اور سخت ترین عقوبت سلطانی کا مستحق اور سزاوار سمجھا جائے گا۔ یا کم سے کم جو شخص خلیفہ عصر کے مقابلہ میں ان حضرات کو محض بغیر مقیاس۔ نامعتبر اور مقطوع الاسناد نصوص الٰہی اور ارشاد حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتبار پر۔ ان رقوم کی وصولی کا مجاز اور مستحق سمجھے گا۔ وہ بھی انہی لوگوں کی طرح خلافت کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ اور خلیفہ عصر کو اس پر احکام سیاست کے جاری کرنے کا پورا حق حاصل ہو گا۔

یہ تھے ظالم متوکل کے احکام۔ جو اس نے ان حضرات کو اپنے جائز حقوق کے وصول فرمانے سے روکے اور منع کئے جانے کے متعلق تمام قلمرو اسلامی میں جاری کئے۔ مگر خدا کے جبروت قدرت کی بڑی عظیم الشان مثال یہ ہے کہ متوکل ایسے جابر اور متکبر فرمانروا کے ایسے عام اور شدید احکام کا بھی اثر اس قوم پر کچھ نہ ہوا۔ جو لوگ ایک عرصہ دراز سے اس رقم خاص کو اس کے اصلی مستحقین کی خدمت میں پہنچایا کرتے تھے۔ اگرچہ یہ احکام اُن کی آبادیوں کے خاص خاص مقام میں بھی نہایت سختی اور شدت سے نافذ کئے گئے تھے۔ مگر اُن لوگوں کی خاص جماعت

میں کسی طرح اُن کا نفاذ نہ ہونے والا تھا۔ نہ ہوا۔

بہرحال۔ جب متوکل کو متواتر کوششوں کے بعد معلوم ہوگیا کہ ہماری شیعہ رعایا ہمارے ان احکام کو قبول نہیں کرے گی۔ تو وہ ہاتھ دھو کر ان لوگوں کے ستانے اور اُن کے نام و نشان مٹانے کے پیچھے پڑگیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ فرقے کے لوگ جتنا سلاطین امویہ کے زمانے میں نہیں ستائے گئے تھے اُس سے زیادہ تر اُس کے وقت میں قتل کئے گئے مار ڈالے گئے۔ سولی دے گئے۔ درختوں پر لٹکا دئے گئے جلتی آگ میں ڈلوا دئے گئے۔ مگر تاہم اُن خالص الاعتقاد اور کامل الایمان جان نثاروں کی نہ عقیدت میں کوئی کمی آئی اور نہ ارادت میں کوئی بل آیا۔ وہ مٹ گئے۔ برباد ہوگئے۔ دنیا کی کوئی مصیبت ایسی نہیں رہی۔ جو اُنہوں نے نہ اٹھائی ہو۔ یہ سب سہی۔ مگر باین ہمہ ان لوگوں نے حبل المتین اور عروۃ الوثقائے دین کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے نہ چھوڑا۔ اور یہ رقم اتنی شدت اور سختی کے بعد بھی جن حضرات کی خدمت میں پہنچانے تھے۔ برابر پہنچاتے رہے۔

متوکل نے اپنے دوران سلطنت میں اس کی [illegible] میں اپنی کوشش اور اپنی جان ایک کر ڈالی۔ اور کوئی تدبیر ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کو وہ عمل میں نہ لایا ہو۔ یہاں تک کہ سادات کی تحقیر کرنا۔ ان کو نادار اور مفلس بنانا۔ ان کی ترقی اور رفاہ و فلاح میں خرابی اور رکاوٹ پیدا کرنا۔ ان کے جتھے گروہ اور آبادیوں کی مجموعی قوتوں کو توڑنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ساری ترکیبیں تو عمل میں لائی گئیں۔

عام سادات ہی کی تنہا ذات پر موقوف نہیں رکھا گیا۔ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی ذاتی ایذا رسانی اور آزار دہی میں ظالم متوکل نے کونسی بات اٹھا رکھی یہاں تک تو نوبت پہنچا دی گئی کہ عام آزادی سے محروم رکھ کر نظر بند کئے گئے۔ اور مختلف مقامات پر متفرق لوگوں کی حراست و حفاظت میں عمر بھر اسیر و مقید رکھے گئے۔

ظالم متوکل کے انہی جابرانہ احکام کے سلسلے میں نجف اشرف اور کربلائے معلٰی کے ایسے مقامات عالیات کی بربادی کا حکم ہے جس کی پوری تفصیل اس سے قبل کے نمبر میں بیان ہو چکی ہے جو صرف ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اخبار و آثار مٹانے اور شیعوں کی مجموعی حالت توڑنے اور برباد کرنے کے خاص اصول پر مبنی تھے۔

بہرحال۔ جب حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے دوران امامت میں یہ مخالفانہ اور جابرانہ طور و اطوار ملاحظہ فرمائے تو آپ نے تمام شیعوں کو خدمت بابرکت میں حاضر ہونے سے قطعی ممنوع فرما دیا۔ اور ادائے خمس کے لئے تمام شیعہ آبادیوں میں سخت مخفی اور پوشیدہ طور پر اپنے وکلاء اور سفراء بالکل اسی طرح مقرر فرمائے جس طرح حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں معین فرمائے گئے تھے شیعہ گروہ کے لوگ نہایت رازداری اور کمال ہوشیاری سے اپنے اپنے خمس کی رقمیں ان سفراء اور وکلاء کے پاس جمع کراتے تھے۔ اور یہ لوگ ایک معتدبہ تعداد میں یہ رقوم جمع کر کے ایک خاص موقع سے خدمت امام علیہ السلام میں پہنچا دیتے تھے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے وقت میں وصولی خمس کے حالات

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے شش سالہ عہد امامت میں بھی یہی انتظام بحال اور برقرار رہے سفراء وکلاء اور نائبین کے گروہ خفیہ اور مخفی پوشیدہ طور سے بلکہ یوں سمجھو کہ اپنی جان اپنے ہاتھوں پر رکھ کر ان رقوم کو اپنے اپنے مقام [illegible]

میں آتے تھے۔ اور آپ کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔ اگر غور کی نظر ڈالی جائے تو رقوم خمس کے ادا کنندگان حضرات سے زیادہ سفراء اور وکلاء کی غریب جانیں ہمیشہ سخت سے سخت معرض خطر میں رہا کرتی تھیں۔ کیونکہ اس رقم کے ادا کرنے والے حضرات تو اپنی اپنی رقوم ان لوگوں کو حوالے کر کے اپنے اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ اور اپنی ذمہ داری سے فی الجملہ سبکدوش ہو جاتے تھے۔ مگر برعکس ان لوگوں کے سفراء اور وکلاء تا وقتیکہ یہ رقوم مومنین سے لیکر خدمت امام علیہ السلام میں نہ پہنچا لیں وہ جاسوسان شاہی اور سراغ رسانان سلطانی کے خوف و دہشت میں ہمہ وقت دہمہ لحظہ گرفتار رہا کرتے تھے۔ اور ایسے سخت اور خطرناک موقعوں میں بھی اپنی ایمان داری اور امانت شعاری پر ہمیشہ قائم اور استوار رہتے تھے۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ ان حضرات کی راسخ الایمانی اور کامل الاعتقادی کی مثال پیدا کرنی سخت دشوار ہے۔

متوکل کے شدید اور ظالمانہ نظام ملکی کے مقابلہ میں بھی کہ قدم قدم پر ان حضرات کیلئے عموماً اور شیعوں کے لئے خصوصاً پہرے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کوچے کوچے میں ان کی سراغ رسانی کے لئے برابر گشت پر گشت لگائی جاتی تھی اور طرح طرح کی عیارانہ اور مکارانہ ترکیبوں سے ان کا تفحص احوال کیا جاتا تھا۔ یہ مجاہدان فی سبیل اللہ اور امانت داران حق اللہ اور سالکان حقیقت آگاہ اپنے شرائط دینداری اور فرائض وفاشعاری سے باز نہیں آئے۔

متوکل کے یہ جابرانہ احکام کچھ انہی لوگوں تک موقوف نہیں تھے۔ بلکہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی ذات بابرکات کے لئے بھی یہی قدغن تھا۔ اور یہ حکم تھا کہ آپ کے پاس بھی عام اہل سے

کہ آیا تنہا ہوں یا آیا دوسرے سلطانی مخبر ہوں یا اس مکان میں تشریف فرما ہوں خواہ جہاں تشریف رکھتے ہوں۔ کوئی بیرونی شخص نہ آنے پائے۔ ایسے سخت اور شدید حکم عام نے ان خالص الایمان شیعوں کو سخت مصیبت اور آفت میں ڈال رکھا تھا۔ جو امام علیہ السلام کی طرف سے سفارت اور وکالت کے عہدے پر ممتاز تھے۔ وہ غریب آخر کار بطور احتیاط یہ بہروپ بدل کر اور سوداگر یا معمولی سائل کی صورت میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس جاتے تھے اور یہ رقوم آپ کی خدمت میں پہنچا جاتے تھے۔ مخبروں نے ان پر یہ انتظام بھی بیکار رہا۔ اور متوکل نے سے زیادہ ان لوگوں کی تلاش کی۔ اور چن چن کر رقوم خمس ادا کرنے والوں کو قتل کرا دیا۔

جب بہت سے بے گناہ شیعوں کی جانیں مفت میں ضائع ہو چکیں اور مومنین مخلصین کی ایک کثیر التعداد جماعت اس ظالم کے حکم سے قتل کی گئی تو آخر کار جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ابو جعفر ابن عثمان عمری رضی اللہ عنہ کو شہر بغداد میں اپنا وکیل بنایا۔ اور ان مومنین کو جو بیرونجات سے رقم خمس لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اپنے پاس حاضر ہونے اور آنے جانے سے بالکل منع فرمایا۔ اب آپ کے اس حکم کے مطابق تمام ممالک کے شیعہ بذات خاص اپنے مختلف معتبر اور معتمد وکلاء اور سفراء کے ذریعے سے یہ رقم ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خود جمع کرا جاتے تھے یا بھیج دیا کرتے تھے۔ اور وہ اس رقم کو آپ کی خدمت میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ یا حکم امام علیہ السلام کے مطابق اس کو اپنے پاس رکھ کر خود مستحقین پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ یا جتنی ضرورت واقع ہوتی تھی اس رقم میں سے عند الطلب خدمت امام علیہ السلام میں حاضر کر دیا کرتے تھے۔

یہ معاملات بھی انتہا درجہ کی رازداری اور احتیاط سے انجام کئے جاتے تھے۔ شیعہ گروہ کو فرداً فرداً رقم خمس کے لانے کا حکم نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنے قریہ قصبہ اور شہر کے تمام لوگوں کا خمس لیکر اپنے ایک معتبر اور معتمد علیہ بزرگ کے حوالے کر دیتے تھے۔ اور وہ اُن کی ایک فہرست قائم کر کے جس میں اُن کی کل رقوم کی مقدار اور تمام اقسام وغیرہ درج ہوتے تھے۔ مع تعداد۔ مقدار اور وزن کے جیسی صورت ہو تیار کر کے ابوجعفر محمدؒ عمری رضی اللہ عنہ کے پاس داخل کر دیتے تھے۔

چھوٹی چھوٹی بستیوں اور قریوں میں ایک سفیر یا وکیل مقرر ہوتا تھا۔ اور ایسے مقامات میں جہاں شیعہ بہت کم ہوتے تھے۔ وہاں کئی قریوں پر ایک بزرگوار معین ہوتے تھے جو حاجز کے نام سے مشہور و معروف ہوا کرتے تھے۔

بڑے بڑے مقامات میں جہاں شیعوں کی اچھی اور معقول آبادی ہوتی تھی وہاں وکلاء مقرر ہوتے تھے۔ اور وکیل امام علیہ السلام کہلاتے تھے۔ اور بڑے بڑے شہروں میں جہاں فرقۂ شیعہ کی بہت بڑی تعداد آباد ہوتی تھی اور باعتبار آبادی کے وہ شیعوں کے مقامی مرکز یقین کئے جاتے تھے۔ وہاں ایک ایک دو دو تین تین وکلاء مقرر ہوتے تھے۔

اتنے تحفظ اور ہوشیاری پر بھی اس رقم کے تمام ذمہ دار لوگ جاسوسان سلطانی کی سراغ رسانی سے ہمیشہ خوف کھاتے رہتے تھے اور تاوقتیکہ شہر سامرہ یا بغداد سے اپنا کام کر کے اپنے اپنے مقام پر صحیح و سلامت اور بخیر و عافیت واپس نہیں پہنچ لیتے تھے اپنی غریب جانوں کو ہمیشہ اپنے ہاتھوں پر لئے رہتے تھے۔ مگر بات یہ تھی کہ اس سلسلے اور ترتیب کے انتظام نے جو ان حضرات علیہم السلام کی کمال حسن تدبیری کی لاجواب مثال ہے خلیفہ کی ساری ترکیب و تدبیر کو بالکل مجبور کر دیا تھا۔ اور اُس کو اب ان حضرات کی گرفتاری سے کم سراغ رسانی میں بہت کم کامیابی ہوئی

ابوجعفر محمدؒ عمری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

یہ بزرگ شہر سامرہ کے بہت بڑے رودار و اقتدار اور خلیفۂ معتضد کے معتمد ترین اراکین میں شمار تھے۔ اگرچہ فضل ابن ربیع کے ایسا دربار بغداد میں اُن کا شیعہ ہونا کسی سے چھپا نہیں تھا۔ مگر بایں ہمہ خلیفہ کی طرف سے آج تک اُن کے مذہب یا عقائد کے لئے خاص طور پر کوئی تعریض بھی نہیں کی گئی تھی انہوں نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں اس عہدے کے قبول کرتے وقت پہلے ہی عرض کر لیا تھا کہ اس عہدے کے تفویض کئے جانے کی وجہ سے ہمارے پاس شیعوں کی کثرت اور اژدحام ضرور ہوگا۔ اور اگر میرے گھر میں اتنا ہجوم دیکھا جائیگا تو مفسدان زمانہ کی مخالفانہ تحریکوں اور اشتعال کا ضرور باعث ہوگا۔ اور معتضد کے ایسے مخالف سے تعجب نہیں کہ وہ ان لوگوں کے کہنے سننے سے شیعہ حاضرین کو میرے ہی گھر میں قید کرائے اور اُن کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کرا لے۔ تو پھر یہ راز افشا ہو کر خدا نخواستہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ذاتی زحمت اور مصیبت کا بھی باعث ہو۔ ان قرائن پر اپنی انتہا کی غایت نظر ڈال کر جناب ابوجعفر محمد عمری رضی اللہ عنہ نے اُسی وقت سے شہر بغداد میں روغن فروشی کی ایک دوکان کھول لی۔ اور عام طور سے خرید و فروخت کے معمولی کاروبار شروع کر دیئے۔ اس انتظام سے بیرونی سفراء اور وکلاء دوکان پر آتے تھے اور اپنی ہمراہی رقوم اور اموال ان کے پاس جمع کر کے اپنے اپنے مقام کو واپس چلے جاتے تھے۔ اول تو مزید احتیاط کے خیال سے ایک بار شیعوں کا اتنا اجماع ہی نہیں کیا جاتا تھا جو مخالفین کے لئے شبہہ کا باعث ہو سکے۔ دو چار اگر

کے آنے جانے سے عموماً یہی سمجھا جاتا تھا کہ بیرونی لوگ خاصکر وہی قومیں ہیں جو اپنے روزمرہ کی ضرورت سے بغداد کے بازار میں سودا کرنے آتی ہیں۔ یہ قرینے ایسے اچھے اور یہ طریقے ایسے مناسب تھے جن سے شیعہ پبلک کی گرفتاری اور مصیبت بالکل دور ہوگئی۔ اور اتنی روک تھام بھی نہیں رہی جتنی اس سے پہلے تھی۔ کیونکہ ان پر شیعہ ہونے کا گمان ہی جاتا رہا تھا۔ اور شیعہ ہونے کے خلاف وہ بازار کے معمولی کاروبار والے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ ان وجہوں سے اگر ایسے لوگوں کی ایک معتدبہ جماعت اُن کے پاس پائی بھی جاتی تھی تو جاسوسان شاہی کو اُن کی گرفتاری کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ علاوہ اس کے۔ ان کا حسن سیرت حسن اخلاق اور اُن کے ذاتی اوصاف ہر کس وناکس کے زبان زد ہو رہے تھے۔ اور ان کی نیک نفسی۔ سلامت روی اور امن پسندی پر اعتبار کر کے کبھی کسی شخص کو ان کی طرف تمرد۔ سرکشی۔ اور بغاوت کا کسی وقت کوئی خیال یا احتمال نہیں ہوتا تھا۔ ہم ان کے پورے حالات انشاء اللہ المستعان ان کی سیرت کے متعلق بہت جلد آیندہ کتاب میں مندرج کریں گے۔

بہرحال۔ جن لوگوں نے دنیا کے پولیٹکس کو غور کی نگاہوں سے دیکھا ہے وہ شیعہ گروہ کے ان مصیبت ناک اور قیامت خیز حالات کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ معتمد کے خاص وقت میں بھی شیعہ گروہ کو وہی مصیبتیں اور مشکلیں پیش آئیں جو خلفائے بنی امیہ کے زمانے میں کامل سو برس تک اُٹھا چکے تھے۔ اگر زیادہ غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ شیعوں کی موجودہ مصیبتیں اور دشواریاں اُس وقت کی دشواریوں سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ کیونکہ اُس زمانے میں صرف محبت ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین گناہ سمجھی جاتی تھی۔ اور اس وقت اس ایک گناہ کی مختلف صورتیں قائم

کی جاتی تھیں۔ اور ان تمام صورتوں میں ان لوگوں کی پوری گرفتاری اور کامل سیاست کی جاتی تھی۔ اور پھر ایسی سخت بازپرس کی جاتی تھی۔ اور ان تمام امور کا ایسا شدید مواخذہ کیا جاتا تھا کہ ان غریبوں کو اپنی جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔

جب ہم معتمد کے ان شدائد اور مظالم کے مقابلہ میں اپنے زمانے کی گورنمنٹ برطانیہ عظمٰے کے عام امن وامان۔ انصاف اور معدلت پروری کے آئین پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہم کو اس اسلامی سلطنت کے خلاف اپنی موجودہ غیر اسلام حکومت کے عام احسان اور فیض وامتنان کا خاص طور پر ممنون ہونا ضروری اور لازمی سمجھا جاتا ہے جس کی وسیع سلطنت کے مختلف مقامات میں مختلف اقسام اور طریق کی مخالف قوموں کے مقابلہ میں ہمارے عقاید اور ہمارے جملہ حقوق کی رعایت اور حفاظت اصول مساوات کے اعتبار پر برابر کی جاتی ہے۔ اور ہمارے کسی مخالف عقیدے والے گروہ کو ہمارے مراسم دینی کی ادا کاریوں میں کبھی کسی مداخلت۔ دست اندازی اور بیجا اعتراض کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

بہرحال رقم حسن کی یہ پوری تاریخ تھی جس کو ہم نے تاریخ وسیر کے علاوہ۔ فقہ وحدیث کے معتبر ماخذوں سے تیار کیا ہے۔ اور انہی ماخذوں کے ساتھ ہم نے اُن تاریخی واقعات کو بھی بیان کر دیا ہے جو جس وقت اور جس مقام سے پورا تعلق رکھتے تھے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ ہم کو ہماری تالیف کی موجودہ ضرورت نے ان حالات کو اتنی طول وطویل تفصیل کے ساتھ لکھنے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ اور وہ بڑی ضرورت یہ تھی کہ عام طور سے شیعہ گروہ کی وہ تباہی اور بربادی جو معتمد کے وقت میں عمل میں لائی گئیں اور جس کی کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ معتمد نے حضرت امام حسن عسکری علیہ

اور اُن کے متقاپین شیعہ کے ساتھ جو انتہا مظالم اور سختی
کا اظہار کیا۔ اُس کی کیا صورتیں تھیں۔ اب ہمارے ان
واضح اور کشادہ بیانات کو دیکھ کر ہر شخص کامل طور سے
سمجھ سکتا ہے کہ مقصد یہ تھا کہ جہاں ان حضرات کے تمام
آثار و اخبار کو صفحۂ روزگار سے مٹا دیا تھا ویسے ہی ہاں
وہ آپ کے ان بچے بچائے حقوق کو بھی جو صرف آپ
کے متبعین اور خالص مومنین کے واسطے تک محدود
تھا ہمیشہ کے لئے ضبط اور غصب کرنا چاہتا تھا۔ اس
لئے خاص طور پر شیعہ لوگوں کو سختی سے سختیاں اور
شدید سے شدید ظلم و ایذا پہنچائی گئی اور اُن کو اس کے
ترک پر سلطنت کی قوت اور زور دکھلا کر مجبور کیا گیا۔ ان
باتوں کے علاوہ ان حالات سے حضرات ائمہ معصومین
سلام اللہ علیہم اجمعین کے محاصل۔ بسر اوقات۔ اور ان
حضرات کے عام ایثار و انفاق۔ اقرباپروری اور صلۂ
رحم کی ادائیگی کے کافی حالات بھی معلوم ہوجاتے ہیں۔

بہرحال جب ہم اس رقم کو مخصوص حق الامام ثابت
کرتے آئے ہیں۔ اور سوائے ان کے کسی دوسرے کو
اس کا مستحق نہیں سمجھتے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی کل
کے مخارج اور مصارف کو بھی سلسلہ وار لکھیں کیونکہ
ان رقوم کی وصولی کی وجہ سے اس زمانے کی نئی روشنی
کے اندھیرے میں ہر ایک خلاف پہلو پر اکثر عام رجحان ہوتا
ہے۔ اور ہر شخص محاسن کو چھوڑ کر معائب کی تلاش
کرتا ہے۔ اس لئے معمولی اور عامیانہ خیال والے اس
رقم کی وصولی کو حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم
اجمعین کی خود غرضی۔ نفع ذاتی۔ دولت طلبی اور ذخیرہ
اندوزی پر محمول کرنے کی جرأت اور شوخی کرنے لگتے
ہیں۔ اور معاذ اللہ اپنی کم فہمی اور کوتہ اندیشی کی وجہ سے
ان نفوس مقدسہ اور ذوات مطہرہ کو حریص بنا دیتے۔
اور حصول دولت کی طرف طوس خیال کرنے لگتے
ہیں۔

ان وجوہات سے ہمارے لئے خاص طور پر ضروری
ہے کہ ہم اُن کے ایسے توہمات باطل اور خیالات لاطائل
کی کافی اصلاح کردیں اور بتلا دیں کہ تمام رقوم احکام خداوندی
کے مطابق جو مومنین سے وصول کی جاتی تھیں پھر انہی
کے برادران مستحقین پر تقسیم کی جاتی تھیں۔ اگرچہ ان رقوم
کے احکام ادائیگی کا نفاذ عام مسلمین کے گروہ تک
پہنچتا تھا۔ اور اسلام کا ہر نام لیوا شخص اس کی واجب
ادائیگی کا منجانب اللہ ذمہ دار تھا۔ مگر چونکہ اہل اسلام
کے تمام طبقوں نے اپنے قیاس اور غایت درجہ کی
غلط فہمی سے ان حضرات کو اس کا مستحق نہ سمجھا۔ اور
اس حق اللہ کو ہمیشہ کے لئے دبا لیا۔ اور ان بزرگواروں
نے اپنی تمام امن پسندی اور عام سلامت روی کی موجودہ
محاسن تدبیر کی ضرورتوں کی وجہ سے منکرین خمس کے
ساتھ کسی قسم کی تحریک اور بحث ہی کو نہ چھیڑا۔ اور بالکل
خموش گھر بیٹھے رہے۔ جس طرح ان کی وصولی کا حق منجانب
اللہ ان حضرات کو تفویض فرمایا گیا تھا۔ اسی طرح ان کے
مخارج کے ابواب اور ان کے خرچ کرنے کے طریقے
اور اصول بھی منجانب اللہ پوری صراحت کے ساتھ
ان حضرات علیہم السلام کو بتلا دیئے گئے تھے۔ جن لوگوں کو وہ
ان رقوم کے ایثار و انفاق کے قابل اور مستحق سمجھتے تھے
انہی کو عطا فرماتے تھے۔ اُن کی تجویزوں میں کسی مشیر یا
صلاح دہندہ کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ
ان مستحقین کی معرفت اور اُن کی خصوصیت کی خبر امامت
اور روحانی طریقوں سے ہوتی تھی۔ اور وہ اس لئے ان
مستحقین کی تلاش اور تفحص میں معمولی طور پر انسانی تجاویز
اور صلاح کے محتاج نہیں ہوتے تھے۔

ان ایثار و انفاق کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔
بعض مستحقین یومیہ (روزانہ) کے حساب سے پاتے تھے
اور بعض ماہانہ کے اعتبار سے۔ اکثر وقتی ضرورتوں کے
وقت مبذول عنایت ہوتے تھے۔ اور اکثر بغیر استدعا
مورد الطاف و مرحمت۔

انہی عطایا کی ذیل میں (ایثار مستورہ) خفیہ خیرات

ایسا نہیں گزرا ہے جس میں وہ ایک دم اور ایک لحظہ بھی اپنے قبائل اور عشائر کی کفالت اور اعانت سے غافل اور دست بردار رہا ہو۔

بہرحال ہمارے اس اجمالی بیان سے ہماری کتاب کے ناظرین اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ رقوم ان حضرات علیہم السلام کے ہاتھوں سے بجنسہٖ انہی لوگوں کی ضروریات میں صرف کیجاتی تھیں جو خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی طرف سے اُس کے جائز اور اصلی مستحق شمار کئے گئے تھے۔ یہ رقم جو اس طرح وصول کیجاتی تھی بنی ہاشم اور بنی فاطمہ علیہا السلام کی ضرورتوں میں صرف کیجاتی تھی۔ اور اُن میں سے ان میں کا ہر شخص اپنی ضرورت اور احتیاج کے مطابق وظیفہ اور جائزہ پاتا تھا۔ جو اُس کی گزران کا ذریعہ ہوتا تھا۔

ان لوگوں میں بھی حکم خداوندی کے مطابق مختلف مدارج مقرر تھے۔ ذوے القربےٰ۔ یتامےٰ۔ ابن السبیل۔ مساکین اور محتاجین وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں سے ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنا حصہ لیتا تھا۔ مگر جس طرح خیرات اور عام زکوٰۃ کا لینا ان کے لئے منجانب اللہ حرام کیا گیا تھا۔ اسی طرح اُن کے مخصوص حقوق میں جو خمس کے نام سے مشہور تھے عام خیرات وزکوٰۃ کے لینے والے کو کوئی حصہ لینے کا استحقاق حاصل نہیں تھا۔

ہماری موجودہ کتاب کے دیکھنے والوں پر حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی وہ احتیاط جو ان رقوم کی تقسیم میں اختیار فرمائی گئی کافی طور سے واضح اور روشن ہوچکی ہے۔ اگر ہم اُن تمام بزرگواروں کی نسبت فرداً فرداً ان واقعات کو اس مقام پر بالتفصیل بیان کرتے تو ہمارے سلسلۂ بیان میں ضرورت سے زائد طول ہوجاتا۔ اور ہماری ترتیب مضامین بھی ناصد اور ناموافق واقع ہوجائے گی جو کسی طرح ہمارے رسالے تالیف کے لئے زیبا اور موزوں نہیں ہوگی۔

اس لئے ہم اُن تمام بیانات کی تفصیل سے قطع نظر کرکے اپنے ناظرین کو بعض سرسری اور اجمالی طریقے سے اس رقم کی تقسیم میں ان حضرات علیہم السلام کی احتیاط کو تمثیلاً بار دیگر یاد دلائے دیتے ہیں کہ وہ جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہما السلام کے زمانے میں حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ اور حضرت عقیلؓ کے واقعات کو اور جناب امام حسن علیہ السلام کے وقت میں غربائے مدینہ اور فقراء کے حالات کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے عہد میں ابو رافع اور اسامہ ابن زید کے ادائے دین کے واقعات کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے وقت میں بنی عقیلؓ کے ساتھ سلوک کو حضرت امام محمد باقرؑ کے ایام میں زید ابن حسنؓ کے ساتھ رعایات کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں عبداللہ افطس کے ساتھ مراحم کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دور امامت میں محمد ابن اسمٰعیل کے ساتھ ہمدردانہ اور برادرانہ برتاؤ کو حضرت امام رضا علیہ السلام کے عہد میں عباس اور ابراہیم فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ مہربانانہ سلوک کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانے میں سادات طبرستان کے ساتھ رعایات کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے وقت میں ابنائے زید شہید علیہ السلام کے ساتھ برادرانہ سلوک کو۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام لحن رب الانام کے عہد میں اسمٰعیل کے ساتھ خاص اشفاق وعنایات کے واقعات کو ہمارے مندرجۂ بالا دعوے کی تصدیق وتوثیق میں دیکھ لیں اور ملاحظہ فرمائیں۔

یہ تو صرف ایک ایک واقعہ ہے جو ہم نے استشہاداً اپنے ناظرین کی یاددہانی کی خاص غرض سے اس مقام

پر لکھ دیا ہے۔ ورنہ ہر ایک امام کے زمانے میں ان کی اتنی متعدد مثالیں پائی جائیں گی۔ جن کی نظیروں سے دنیا کے بڑے بڑے کارنامے خالی پڑے ہیں۔ یہ تمام واقعات ہمارے موجودہ سیرت اہلبیت کرام علیہم السلام کے سلسلے کے ہر نمبر میں اپنے اپنے خاص مقام پر پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ مندرج ہو چکے ہیں۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات

بہرحال۔ طول و طویل بیان ہیں خمس کی پوری تاریخ لکھ کر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہمارے ناظرین کتاب کو یاد ہوگا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ معتمد نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ستانے اور تکلیف پہنچانے میں امتناع ادائے خمس کی قدیم مخالفت کو پھر زندہ کیا۔ اگرچہ ہمارے اوپر کے بیان سے اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ یہ تدبیر بھی معتمد کی ایجادی اور اختراعی نہیں تھی۔ بلکہ بہت قدیم اور سابق سے سابق وہ علت تھی جو برابر ایک سے دوسرے کو میراث میں ملتی چلی آتی تھی۔ اور کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں اس علت اور کاوش کا اظہار نہیں کیا گیا۔ مگر خدا کی شان کبھی کسی صاحب کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بایں ہمہ معتمد نے اپنے اسلاف کی تقلید میں امتناع ادائے خمس کے خاص مسئلہ میں نہایت سختی اور تشدد سے کام لیا۔ اور اپنی سلطانی قوت و اختیار کا ایسا اظہار کیا کہ آخر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجبور ہو کر گروہ شیعہ سے بنفس نفیس اس رقم مخصوصہ کے وصول فرمانے کو ترک کر دیا۔ اور یہ عہدہ اپنے وکلا، سفرا اور نوابین کو سپرد فرمایا۔ جیسا کہ ابھی ابھی اوپر مفصل طور سے سلسلۂ بیان میں تحریر ہو چکا ہے۔

یہاں تک ان مظالم کا سلسلہ بڑھایا گیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو اپنی جان بچانی دشوار ہوگئی۔ آپ کی کل شش سالہ مدت امامت میں معتمد نے آپ کی ہلاکت، قتل، ذلت و حقارت کے متعلق اپنی طرف سے اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ آپ کی دل آزاری۔ ایذا دہی اور تکلیف رسانی کی تمام ترکیبیں عمل میں لایا گیا۔ حراست۔ نظربندی۔ قید۔ موذی اور خونخوار جانوروں کے جھنڈ میں چھوڑ دینا۔ غرض کوئی تدبیر ایسی باقی نہیں چھوڑی جس سے آپ کی فوری ہلاکت نہ یقین ہوتی ہو۔

مگر گیا۔ دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست۔

ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا۔ کوئی ترکیب اس حجت الٰہی اور ودیعت حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ و آلہ کو کوئی گزند اور کوئی آزار جیسا وہ چاہتے تھے نہ پہنچا سکی۔

بہرحال جب معتمد کو ان تمام ترکیبوں میں متواتر ناکامیابیاں پیش آئیں تو آخر کار اس نے آپ کی ہلاکت اور شہادت کے لئے زہر دہانی کی وہی قدیم اور آخر ترکیب کی جو ہمیشہ سے اس کے اسلاف کی مخالفت دلی اور شقاوت قلبی کی معیار ثابت ہوتی چلی آتی تھی۔ چونکہ مشیت کی طرف سے یہی ترکیب جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے لئے دنیاوی مصیبتوں میں آخری تکلیف اور مصیبت مقدر ہو چکی تھی۔ اس وجہ سے معتمد کی یہ تدبیر حکم تقدیر کے مطابق واقع ہوگئی اور اس کا وہ زہر آلود تحفہ جو اس نے اپنے خاص ملازم کے ہمراہ آپ کی خدمت بابرکت میں بھیجا تھا۔ قبول فرمالیا گیا۔ اور آپ نے رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ فرما کر نوش فرمالیا۔ اس موت کے جام کو پیتے ہی آپ کے مزاج میں فوراً ایک غیر معمولی تغیر محسوس ہونے لگا۔ اور یہ تغیر اور تبدل آناً فاناً نہایت سخت درد و کرب سے بدل گیا۔ اور ساعت بساعت لحظہ بلحظہ اس میں ترقی اور زیادتی پیدا ہونے لگی۔ یہاں تک کہ آپ اس اضطراب اور بے چینی کی حالت میں مجبور ہو کر فرش پر لیٹ گئے۔ اور پھر اٹھنے کی تاب نہ رہی۔

مہلت نہ پا سکے۔

اپنی اُن ظالمانہ کاروائیوں کو چھپانے اور پوشیدہ
رکھنے میں خلفائے عباسیہ کو ایک خاص طریقہ معلوم تھا۔
اور اُن کا یہ بزدلانہ دستور عام اس سے کہ مفید اور
کارگر ہوا ہو۔ تمام دنیا میں مشہور تھا جن لوگوں نے ہمارے
اس جو وہ سلسلۂ تالیف کے ہر نمبر کو ملاحظہ فرمایا ہے۔
وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عباسیوں کے ہر خلیفہ اور فرمانروا
نے حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے
مقدس طبقے میں اپنے ہر معاصر بزرگ کی قتل و ہلاکت
کی تدبیروں کو انواع و اقسام کی ترکیبوں سے چھپانا
چاہا ہے۔ مگر یہ خون ناحق ہمیشہ اُن کے سر چڑھ کر
پکار اُٹھا ہے۔ اور اُن کے چھپانے کی کوششوں کے
خلاف۔ تمام دنیا میں اُن کو مجرم اور ملزم ثابت کرتا آیا
ہے۔ جیسا کہ تمام مشاہدِ تاریخ سے ظاہر ہے۔ چنانچہ
معتمد نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہلاکت
کے پیچھے واقعہ کے چھپانے اور مخفی کر دینے کی ویسی ہی
کوشش کی۔

احمد ابن عبید اللہ حاکم قم کا بیان ہے کہ جس وقت
آپ کی بیمارگی کی حالت معتمد کو معلوم ہوئی تو اُس نے
میرے باپ عبید اللہ کو آپ کی تیمارداری کی غرض کر
بھیجا۔ اور حقیقت میں اُن کے بھیجنے سے اس کا اصلی
مطلب یہی تھا کہ آپ کی زہر دہانی کا حال نہ کھلے
اور عبید اللہ تمام دیکھنے والوں اور آپ کی عیادت کرنے
والوں کو آپ کے ہلاک عارضہ کے محض اتفاقی طور پر
واقع ہو جانے کا کافی یقین دلاتے رہیں۔ عبید اللہ
یہ [illegible] پاتے ہی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی
خدمت میں چلے آئے اور خلیفہ کی ظاہری اور مصنوعی
ہمدردی اور اشفاق کے موجودہ انتظام کو درست کیا
اور اس کے بعد عبید اللہ نے پانچ ملازمین شاہی کو آپ
کی خدمت میں برابر حاضر رہنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی دونوں
وقت آپ کی مزاج پرسی اور دریافت احوال کی غرض سے
آتے رہتے۔ یہاں تک تین روز میں سارا قصہ تمام ہو گیا
اور عبید اللہ کو زیادہ آنے جانے کے لئے مجبوری
نہیں ہوئی۔

دوسرے روز سے آپ پر زہر کی شدت اور بڑھ
گئی۔ عبید اللہ نے طبیبوں کو بلوایا اور آپ کا معالجہ شروع
کرایا۔ درد کے خیال سے آپ کو مصطگی پلائے جانے
کی تجویز ہوئی۔ مگر یہ اور دوسری تمام طبی ترکیبیں اور
تدبیریں جو تجربہ کار اور ہوشیار اطباء کے متواتر تجربہ
میں آچکی تھیں۔ بالکل بے اثر اور بیکار ثابت ہوئیں
اور آپ کے موجودہ کرب و اضطراب میں سوائے اضافے
کے افاقہ نہ ہوا۔ نہ ہوا۔

غرض کہ اسی حالت میں جناب امام حسن عسکری
علیہ السلام کی تین راتیں اور تین دن بسر ہوئے۔
عقید رضی اللہ عنہ جو آپ کے خاص ملازموں میں
داخل تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی بیماری کے وقت
سے لے کر رحلت فرمانے کے وقت تک برابر میں آپ
کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا۔ اور کسی وقت ایک دم
کے لئے بھی آپ کی خدمت سے جُدا نہ ہوا۔ کیونکہ ایسے
وقت میں میں آپ کی خدمت کو اپنی ازدیاد سعادت
اور نجات کا حقیقی باعث سمجھتا تھا۔ اور ایسے وقت میں
آپ کی خدمت سے ایک دم کی مفارقت گویا کم سے
کم آپ کی خدمت میں اپنی سہل انگاری۔ استمالت اور
غفلت کو اپنے نفس کی شقاوت۔ اپنے اعمال کی شامت
اور اپنے کافر نعمت ہونے کی اصل علامت سمجھتا تھا۔
اس لئے میں کسی وقت بھی آپ سے جُدا نہ ہوا جب
آخر رات بھی تمام ہو گئی تو صبح صادق کے قریب جناب
امام حسن عسکری علیہ السلام ایکبار اپنی بیہوشی سے
ہوشیار ہوئے۔ اور فوراً بستر مرض سے اُٹھ بیٹھے اور
مجھ سے وہ پانی مانگا جس میں مصطگی جوش دی ہوئی تھی
مگر جب میں نے وہ پیالہ اُٹھا کر حاضر کیا تو فرمایا نہیں
ابھی اسے رکھ دو پہلے آب خالص لاؤ کہ میں وضو

کر کے نماز پڑھ لوں۔ یہ حکم سن کر وہ پانی تو رکھ دیا۔ اور خالص پانی میں نے حاضر کیا۔ آپ نے نہایت اطمینان و استقلال سے جس طرح صحیح و تندرست لوگ عموماً وضو کرتے ہیں۔ اپنا دستمال اپنے زانوئے مبارک پر رکھ کر بفراغت تمام وضو فرمایا۔ بعد اس کے اپنے پاؤں سے مصلے پر تشریف لے گئے۔ اور جس حسن آداب اور بکمال خضوع و خشوع سے صحت کی حالت میں نماز ادا کرتے تھے بجنسہ اسی طرح صبح کی نماز ادا کی۔ جب نماز سے فراغت پا چکے تو میں نے وہ مصطگی کے پانی والا پیالہ پھر خدمت بابرکت میں حاضر کیا۔ آپ نے وہ پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مگر ہاتھ میں پیالے کے لیتے ہی زہر کی موجودہ سمیت نے کچھ ایسا غلبہ کیا کہ دفعۃً آپ کے اندام مبارک میں شباہت کی لغزش پیدا ہو گئی۔ اور پھر آپ کو اتنی فرصت نہ ملی کہ آپ اس دوا کے پیالے کو لب ہائے اقدس تک پہنچا سکیں۔ ہر چند آپ نے اس کے نوش فرمانے کی کوشش فرمائی مگر وہ پیالہ دندانہائے مبارک سے ٹکرا کر رہ گیا۔ اور اس کا ایک گھونٹ بھی بغیر مشکل [illegible] آپ سے فرو نہ ہو سکا۔ آخر کار آپ نے وہ پیالہ اپنی کنیز صیقل کے حوالے کر دیا۔ اور اس کے بعد ہی آپ کی روح مقدس نے گلزار بہشت کی طرف نہضت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

کل شئی ھالک الا وجہہ۔

جناب امام حسن عسکری ع کی نماز جنازہ کی امامت

یہ واقعہ بلا اختلاف آٹھویں ربیع الاول ۲۶۰ھ ہجری میں واقع ہوا۔ اس خبر کے شائع ہوتے ہی معتمد اپنے مصنوعی حزن و ملال کے اظہار اور اپنی ظالمانہ کارروائیوں کے پوشیدہ کرنے کے خیال سے اپنے معتمدین اور ارکین کے ہمراہ دولتسرا پر حاضر ہوا۔ اور جعفر سے جو کچھ عرصہ سے خیر خواہان

سلطنت کی ذیل میں خصوصیت کے ساتھ مشہور تھے۔ اور حرص دولت کے تقاضے نے اس منصب کو اپنی بہت بڑی مفاخرت کا باعث سمجھتے تھے رسم تعزیت ادا کر کے آپ کے غسل و کفن اور مشایعت جنازہ کے اہتمام میں مصروف ہوا۔ اور اپنی ملازمین خاص کو مختلف اقسام کے سامان فراہم کرنے پر مامور کیا۔

مگر بایں ہمہ ان لوگوں کو نظام قدرت کے احوال مستمرہ کی کیا خبر۔ جہاں تک اُس کے فرستادہ لوگ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تجہیز و تکفین کے سامان مہیا کریں۔ جناب صاحب العصر علیہ السّلام نے اپنی مادر گرامی قدر اور معتمدین غلاموں کی ہمراہی اور مشارکت سے اپنے پدر بزرگوار کی جملہ خدمات آخری کو باطمینان تمام گھر کے اندر انجام دے لیا۔ اور ان تمام خدمات کو غسل کی ترتیب سے لے کر تکفین نعش کی آخری خدمت تک ساری مراحل و منازل اسی احتیاط اور طہارت سے تعمیل فرمائے جو ان مراسم و لوازم کے اصلی مقصود ہوتے ہیں۔

جب بہر طور لاش تیار ہو چکی تو عقید نے باہر آکر جعفر کو اطلاع دی کہ بھائی کی لاش تیار ہے۔ آکر نماز پڑھ لو۔ یہ سن کر جعفر اور اُن کے ساتھ وہ تمام شیعہ گروہ جو اُس وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کی مراسم تعزیت ادا کرنے کی غرض سے اُن کے گرد و پیش جمع تھے اُٹھ کر اُس مقام پر گئے جہاں لاش مطہر نماز جنازہ پڑھائے جانے کے لئے تیار رکھی تھی۔

جب یہ مجمع کا مجمع بالین جنازہ نماز پڑھنے کی نیت سے کھڑا ہوا۔ اور جعفر اتنی بڑی جماعت کی امامت پر مستعد اور آمادہ ہوئے تو جیسا کہ ابوالادیان کا بیان ہے کہ جعفر نے جوں ہی تکبیر کہی کہ اس اثنا میں میں نے ایک طفل گندم گوں (علیہ السّلام) کشادہ دندان

کو مثل مہر تاباں کے دیکھا کہ حجرہ قریب سے ظاہر ہوا۔ اور لاش مطہر کے قریب پہنچا۔ اور جعفر کی ردا پکڑ کر با آواز بلند کہا کہ اے چچا آپ پیچھے کھڑے ہوں۔ اس لاش مطہر کی نماز جنازہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں پڑھا سکتا یہ سنتے ہی جعفر کے دل پر کچھ ایسا رعب و جلال روحانی کا اثر طاری ہو گیا کہ وہ فوراً اپنے مقام سے ہٹ گئے۔ اور اس طفل پنجسالہ نے جس کا حسن و جمال ماہ دوہفتہ سے زیادہ منور اور روشن تھا کھڑے ہو کر تمام مومنین کی امامت فرمائی اور اس مقدس جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد وہ صاحبزادے پھر اسی حجرے کی طرف واپس تشریف لے گئے

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے جنازے کی مشایعت

معتمد تو ان تمام سامانوں سے بے خبر تھا۔ یہ عالم سن کر سناٹے میں آگیا۔ اور آخر کار اپنی اسی خفت اور انفعال کی حالت میں اس نے اپنے کاتب عیسے کو آپ کے جنازے کی نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ لاش مطہر مقبرہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کے اندر رکھ دی گئی۔ عام مومنین اور مسلمین کا اتنا بڑا مجمع کثیر تھا کہ صحن مقبرہ اندر سے باہر تک بالکل بھر گیا۔ اس پر بھی ہزاروں آدمی باہر اپنی صف کر کے نماز جنازہ میں شریک ہو گئے۔

فریقین کے مورخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل اسلام میں جتنا اجماع اور جیسی کثرت اور جیسی عظیم الشان مشایعت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے جنازے کی شہر سامرہ میں ہوئی۔ ویسی اہل اسلام میں نہ کسی امرا و سلاطین کی آج تک ہوئی اور نہ کسی علما و پیشوایان دین کی۔ آپ کی وفات کے دن شہر سامرہ میں عموماً تمام کہرام مچ گیا۔ گلی کوچہ۔ بازار اور دربار ماتم سرا کی صورت ہو گیا امیر و غریب۔ دوست اور دشمن۔ غرض کسی کا گھر اس دن ایسا نہیں پایا گیا جس سے صدائے نالہ و شیون نہ آئی ہو۔ مومنین کے جوق جوق گروہ سر برہنہ۔ چاک گریبان نظر آتے تھے۔ اور معتمد ان کو بلا قید تقیہ ایسی کامل اور خالص تشیع کی حالت میں اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھتا تھا اور کچھ نہیں کہتا تھا۔ اور نہ مشایعت جنازہ مقدس سے روکتا تھا۔ یہ بھی خدائے قادر کی قدرت و جبروت تھی۔ اور کیا اس وقت خود اس پر اس حجت الٰہی کے اس مصیبت ناک واقعہ سے جس کا بانی مبانی اصل میں وہی تھا خوف و دہشت کا سخت عالم طاری تھا۔ اس لئے وہ ان لوگوں سے کسی قسم کی کوئی فوری تعرض نہ کر سکا۔ اور ان کو ان کی مصیبت زدہ حالتوں میں چھوڑ دیا۔ تمام شہر کی دکانیں بند ہو گئیں۔ بازار اٹھ گیا۔ تمام لوگوں نے اپنے انتظام خانہ داری کی ضرورتوں کو اس دن موقوف رکھا۔ اور اس عالم ماتم میں شریک ہو گئے۔ اگر دنیا کے دیدہ بصیرت کشادہ ہوں تو وہ شہر سامرہ کی حالت کو اس وقت دیکھ لے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایسے مخالف کا ماتم اس کی آنکھوں کے سامنے اور خاص اسی کے دار السلطنت میں برپا ہو۔ اور وہ ان امور کو دیکھے۔ بلکہ خود بھی اپنی کسی خاص مصلحت سے اہتمام کی کوشش کرے۔ یہ قدرت کے تصرفات نہیں تو کیا ہے۔ چنانچہ امام صباغ مالکی فصول المہمہ میں لکھتے ہیں

ولما ذاع خبر وفاته ارتجت سرمن رای و قامت صیحة واحدة عطلت الاسواق وغلقت دکاکین ورکب بنو ہاشم القواد والکتاب والقضاة والمعدلون وسائر الناس الی جنازته فکانت سرمن رای یومئذ شبیہہ بالقیامة فلما فرغوا من تجہیزہ بعث الخلیفة الی عیسی ابن المتوکل لیصلی علیہ وصلی علیہ ودفن فیہ ابوہ وکانت وفاتہ فی یوم الجمعة لثمان خلون من شہر ربیع الاولی سنہ ۲۶۰ھ وعمرہ ثمان وعشرون سنہ ویقال سم ایضا ولم یخلف غیر ولدہ ابی القاسم محمد الحجة علیہ السلام۔

جب امام علیہ السلام کے وفات فرمانے کی خبر مشہور ہوئی۔ تمام سامرہ ہل گیا۔ اور غوغا برپا ہوگیا۔ بازاروں میں ہڑتال ہوگئی۔ دوکانیں بند ہوگئیں۔ تمام بنی ہاشم اور خواص کے حکم دینے والے اور منشی اور قاضی اور عدالتی اور عامۂ خلائق اُن کے جنازے پر دوڑے۔ سُر من رائے اُس دن قیامت کا نمونہ تھا۔ جب لوگ آپ کی تجہیز سے فارغ ہوئے تو خلیفہ نے اپنے بھائی عیسےٰ ابن متوکل کو نماز پڑھانے کے لئے بھیجا۔ اُس نے آپ کے جنازے کی رسمی بظاہر نماز پڑھائی۔ اور اُسی گھر میں دفن کیا جہاں آپ کے والد بزرگوار مدفون ہوئے تھے۔ آپ نے ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ کو جمعہ کے دن ۲۶۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ آپ کی عمر اُس وقت اٹھائیس سال کی تھی کہتے ہیں کہ آپ کو بھی زہر دیا گیا تھا۔ آپ کے پیچھے آپ کے فرزند ارجمند جناب حجت علیہ الصلوٰات والسلام کے سوا دوسرا کوئی باقی نہیں رہا۔

مشایعت جنازۂ مقدس کی نسبت خاص کر کتابوں میں لکھا ہے کہ جس حسنِ مشایعت اور شان و شوکت سے آپ کا جنازہ مطہر اُٹھایا گیا ویسا کسی دوسرے شخص کا نہیں۔ اُن تمام مخصوص انتظاموں سے قطع نظر کرکے جو آپ کی لاش مطہر کی مشایعت کے متعلق خصوصیت کے ساتھ کئے ہوئے پائے جاتے ہیں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ کے جنازے کی مشایعت کرنے والوں کی جماعت باعتبار اوصاف و اصناف اور مدارج و مراتب کے علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ اور اسی تقسیم کے مطابق وہ لوگ لاش مطہر کے ہمراہ جاتے تھے ان میں سب سے پہلا گروہ جو جنازۂ مقدس کے پیچھے اور سب لوگوں سے آگے جاتا تھا۔ وہ علماء کا تھا۔ اُن کے پیچھے فقہاء کی جماعت تھی۔ اُن کے بعد دیوان اور قضا کے عہدے والے تھے۔ اور اُن لوگوں کے بعد خلافت کے ملازمین اور غلاموں کا سلسلہ تھا۔ اور اُن کے پیچھے بڑے بڑے تجارت پیشہ اور شہر کے امراء اور اغنیا کا مجمع تھا۔ اُن لوگوں کے بعد شہر کی تمام پیشہ ور قومیں تھیں۔

غرض اس حسنِ انتظام اور تزک و احتشام سے لاش مقدس امام علیہ السلام۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مقبرے میں پہنچائی گئی۔ ابو عیسےٰ نے جو معتمد کی طرف سے آپ کے جنازے کی نماز جماعت کا امام بنایا گیا تھا معتمد کے حکم کے مطابق اُس کی براءت اور علیحدگی ثابت کرنے کی غرض خاص سے رِدائے مبارک چہرۂ انور سے اُٹھائی اور رفع تہمت کی غرض سے تمام سادات علوی اور جمیع بنی ہاشم۔ وزرائے سلطنت۔ کاتبان حکومت علماء و فضلائے دولت۔ اشراف و اعیان اسلام کو فرداً فرداً قریب بُلا بُلا کر کہا کہ آتے جاؤ۔ اور اپنی اپنی آنکھوں سے بخوبی دیکھتے جاؤ کہ یہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے اپنی موت سے اپنے فرش خانہ پر رحلت فرمائی ہے۔ اور کسی دوسرے نے کوئی گزند یا آسیب یا کسی قسم کی ایذا اور تکلیف جس سے آپ کا انتقال واقع ہوا ہو ان کو نہیں پہنچائی ہے۔ اور اُن کی علالت عالم میں جو اطبا۔ قضاۃ اور معتمدان سلطنت۔ اُن کی تیمارداری اور خدمت کے لئے منتظم سلطانی سے مامور ہیں۔ [illegible] سب کے سب بھی اس وقت موجود ہیں۔ وہ لوگ آپ کے مریض ہونے اور مرض الموت سے رحلت فرمانے کی پوری شہادت دیتے ہیں۔ اور تصدیق کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر عیسےٰ نے ظاہری طور پر جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے۔ نماز جنازہ پڑھ لی۔

باعتبار نوعیت کے یہ واقعۂ شہادت گواہان بھی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ کوئی خاص نہیں تھا۔ بلکہ اس سے قبل ہارون کے وقت میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی لاش مطہر کے ساتھ اُس کی تحریک سے ایسا ہی عام مواجہہ اور معائنہ

قائم ہو چکا ہے۔ اس تجویز سے جو ہارون کی مراد اُس وقت تھی وہی مدعا اس وقت معتمد کا بھی تھا۔ کیونکہ ان دونوں کی مراد اس تدبیر سے یہی تھی کہ اُن کی مخالفت کارازِ سربستہ نہ کھلنے پاوے۔ اور بارن سے ان امور کے متعلق اُس کی پوری بے سروکاری ثابت ہو۔

مگر ایک حقیقت بین اور غیرت مند آدمی کے نزدیک یہ تمام ترکیبیں محض بے کار اور سب تجویزیں بالکل فضول تھیں۔ کیونکہ ان تمام کوششوں کے بعد بھی اگر ہم کو یہ ثابت ہو گیا ہوتا کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا قاتل ہارون کے سوا کوئی دوسرا تھا۔ اسی طرح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خون کرنے والا سوائے معتمد کے کوئی اور تھا۔ تو ہم سمجھتے کہ اُن کی یہ تمام ترکیب و تدبیر مفید کار ثابت ہو گئی۔ اور اُن کی یہ فکر اور دماغ سوزی اُن کے لئے کارآمد ثابت ہوئی۔

مگر بخلاف اس کے یہاں تو دنیا کی تمام تاریخ و سیر کی کتابوں میں آج تک حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا قاتل ہارون بتلایا جاتا ہے۔ اور اسی طرح جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے قاتل کے خانے میں معتمد کا نام سونے حرفوں سے لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔

پھر ایسی صورت میں وہ کون ہے۔ جو دونوں آنکھیں رکھ کر ان لوگوں کی کوششوں کو مفید اور کارآمد سمجھے گا۔ مگر بات یہ ہے کہ قدرت کے انتظام اور مشیت کے خاص اہتمام ہیں جو روزانہ مشاہدات کے قائل اور معمولات کی طرف مائل طبیعت داروں کی سمجھ میں عموماً نہیں آسکتے۔

بہرحال۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السلام کے پہلو میں اسی مقام پر مدفون کئے گئے جہاں آج تک آپ کا مزار فائض الانوار سرمہ دیدۂ صاحبان انظار بنا ہوا ہے۔

جناب امام حسن عسکری کے محاسن اخلاق

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی مبارک سیرت کے متعلق تمام و کمال حالات روزِ ولادت سے لیکر یومِ وفات تک تفصیل کے ساتھ لکھے جا چکے۔ اب ہم اپنی معمولی اور قدیم ترتیب تالیف کے مطابق آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات کے چند واقعات بھی ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے آپ کی ذات مجمع الصفات کے تمام محامد و مناقب نہایت وضاحت سے معلوم ہو جائیں گے۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس ارکان میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے بعد دوسرے بزرگ ثابت ہوتے ہیں جنہوں نے عین شباب میں دنیائے فانی کو چھوڑ کر گلزار جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ کیونکہ آپ کا سن مبارک وفات کے وقت اٹھائیس سال سے زیادہ ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی کل پچیس برس کی مدت تک زندہ رہے۔ اب اتنی قلیل مدت میں آپ کے تمام فضل و کمال کا مقابلہ اور اندازہ کیا جاوے تو ہر شخص آسانی سے قطعی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس قدر قلیل عرصہ میں معمولی اور کسی طور پر کوئی انسان اپنی استعداد و جامعیت کو کسی طرح اُس حد تک نہیں پہنچا سکتا جس حد تک آپ کی قابلیت اور جامعیت پہنچی ہوئی تھی۔ اسی سے یقین کیا جاتا ہے اور ضرور یقین کیا جاتا ہے کہ اتنے قلیل عرصے اور کم زمانے میں آپ کی تمام معلومات روحانی اور محض وہبی طریقوں سے حاصل ہوئی تھیں۔ چنانچہ آپ کی کم سنی اور بچپن ہی میں آپ کی کمالِ معرفت اور خوفِ الٰہی کا ایک واقعہ صواعق محرقہ میں بہلول دانا کی زبانی درج ہے۔ جس کی اصلی عبارت اردو ترجمے کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

معرفت اور خوف خدا

وقع لبهلول منه انه راٰه وهو صبی یبکی والصبیان یلعبون فظن انه یتحسّر علی ما فی اید یهم فقال اشتری ما تلعب فقال یا قلیل العقل ما للعب خلقنا فقال له فلماذا خلقنا قال للعلم والعبادة فقال له من این لك ذٰلك قال من قول الله تعالیٰ افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون ثم ساله ان یعظه فوعظه بابیات ثم خرّ الحسن علیه السلام مغشیا علیه فلمّا افاق قال له ما نزل وانت صغیر لا ذنب لك فقال الیك عنی یا بهلول انی رایت والدتی توقد النار بالحطب الکبائر فلا تتقد الا بالصغار وانی اخشی ان اکون من صغار حطب جهنم۔

آپ ابھی لڑکے ہی تھے کہ آپ کو بہلول دانا نے دیکھا کہ لڑکے کھیل رہے ہیں اور آپ ان کے قریب کھڑے رو رہے ہیں۔ بہلول کو خیال آیا کہ شاید آپ اُس چیز کے لیے رو رہے ہیں جس سے کہ لڑکے کھیل رہے ہیں۔ بہلول نے کہا میاں صاحبزادے میں ایسی کھیلنے کی چیز تمہیں بھی مول لے دوں؟ آپ نے کہا کہ اے کم عقل ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ بہلول نے کہا کہ پھر ہم کس چیز کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ علم اور عبادت کے لیے۔ بہلول نے کہا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے پیدا کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آیا تم جانتے ہو کہ تم بیکار پیدا کیے گئے ہو اور کیا تم ہماری طرف رجوع نہیں کرو گے۔ اس کے بعد بہلول نے ایسی ہی چند نصیحت کی باتیں پوچھیں۔ آپ نے اُن کے جواب میں چند نصیحت آمیز اور عبرت انگیز اشعار پڑھے۔ اور اُن اشعار کے پڑھتے ہی آپ بیہوش ہو کر بہلول پر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو بہلول نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ تو ابھی بچے ہیں۔ ابھی تو آپ نے کوئی خطا بھی نہیں کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے بہلول تم میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ میں نے اپنی والدہ گرامی قدر کو آگ جلاتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ خاصکر موٹی موٹی لکڑیوں کو آگ نے اس وقت تک نہیں جلایا جب تک کہ پہلے چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو جلا کر خاک سیاہ نہ کر ڈالا۔ اے بہلول اسی وجہ سے مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں میں بھی جہنم کی وہی چھوٹی چھوٹی لکڑیاں نہ بن جاؤں۔

جن لوگوں نے انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کے قدیم اخبار و آثار کو دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب یحییٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام نے بھی اپنے ساتھ کے کھیلنے والے بچوں کو ایسا ہی جواب دیا تھا جیسا کہ اس وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اگر ذرا سے غور کے ساتھ کام لیا جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے جواب کی شان اور وقعت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے جواب کی حیثیت سے ضرور بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ جناب یحییٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے مخاطب اس وقت اُن کے ساتھ کے کھیلنے والے وہی بچے تھے جو رات دن آپ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اور جو اس وقت بھی آپ کو اپنے ساتھ کھیلنے کے لیے بلانے آئے تھے۔ بخلاف اُن کے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا مخاطب بہلول دانا کے ایسا بزرگ تھا جس کی دانشمندی۔ ذی فہمی اور وجاہت کا اعتراف ساری زمانے کے لوگ کرتے تھے۔ اور اپنی طول عمری کی وجہ سے جس کو کچھ اوپر ڈیڑھ سو برس کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور پھر ایسا کامل کہ ہارون رشید کے ایسے جابر

کو پوری طور سے جانتے ہیں۔ اس لیے ہم کو کسی تازہ تفصیل اور حوالہ یا تصریح کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

ہم صرف جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے محاسن اخلاق کی نسبت ایک واقعہ تاریخ کے معتبر اسناد سے ذیل میں درج کرتے ہیں جو ہمارے سلسلۂ بیان کو قائم بھی رکھے گا۔ اور ہمارے مالیقی دعا کے لیے کافی بھی ہوگا۔

علی ابن ابراہیم ابن جعفر علیہ السلام ناقل ہیں کہ ایک بار افلاس اور تنگدستی سے میری ایسی حالت پہنچ گئی تھی کہ میں اس وقت بیان نہیں کر سکتا میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ آؤ ہم تم ملکر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں چلیں اور ان سے ہم اپنا عرض حال کریں۔ کیونکہ ان کے جود و کرم کا شہرہ اطراف عالم میں تمام مشہور ہے غرضکہ ہم لوگ نکلے۔ مگر چونکہ آپ کی خدمت میں اس وقت تک مجھ کو پوری معرفت حاصل نہیں تھی اس لیے ہم نے اور لوگوں سے نکل کر پوچھا کہ آیا تم لوگوں کو امام علیہ السلام سے شناسائی کا شرف حاصل ہے یا نہیں۔ ان لوگوں نے کہا نہیں۔

آخر کار مجبور ہو کر اپنی قدیم معرفت اور سابق کے اخلاص و اعتقاد و پر اعتبار کر کے ہم اور ہمارے باپ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ خدمت مبارک میں پہنچنے سے پہلے میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے پانچ سو درہم عنایت فرمائیں گے۔ جس میں سے دو سو درہم کے تو ہم کپڑے بنائیں گے۔ اور بقیہ دو سو درہم نفقہ اور خرچ روز مرہ میں صرف کریں گے۔ اور بقیہ ایک سو درہم کو اور ضروریات میں خرچ کریں گے۔ الغرض جب ہم انہی خیالوں کے ساتھ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو ہم نے دربان سے اندر اطلاع کرائی۔ تھوڑے دیر کے بعد ایک خادم آیا۔ اور کہنے لگا کہ علی ابن ابراہیم اور ان کے لڑکے محمد کہاں ہیں۔ ان کو ہمارے آقا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام طلب فرما رہے ہیں۔ یہ سنکر ہم دونوں آدمی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور آداب نیاز بہ کمال اعزاز بجا لائے جواب سلام دے کر بیٹھ جانے کا حکم ہوا۔ بیٹھ گئے پھر ہمارے باپ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم کو کونسی ایسی شے مانع تھی کہ تم اس وقت تک اپنے حالات کو مجھ سے نہ کہہ سکے۔ اور میرے پاس نہ آسکے۔ میرے باپ نے عرض کی کہ اے آقا اور سردار ہمارے صرف حیا اور غیرت مجھے مانع تھی۔ اور وہی آپ کی خدمت بابرکت میں نہیں آنے دیتی تھی۔ علاوہ اس کے تنگدستی نے اور تنگ کر رکھا تھا میں اس گئے گذرے اور پھٹے حالوں سے خدمت مبارک میں کیا آتا۔

ہمارے باپ کا جواب سنکر آپ خاموش ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ہم لوگوں کو بغیر کچھ عطا فرمائے اسی خادم کے ہمراہ رخصت کر دیا۔ جو ہم لوگوں کو باہر سے اندر لایا تھا جب ہم آستان مبارک پر پہنچے تو اسی خادم نے پانچ سو درہم کا ایک توڑا لاکر دیا۔ اور کہا کہ یہیں مجموع پانچسو درہم ہیں۔ دو سو درہم کپڑوں کے۔ دو سو خانہ داری کے اور سو دوسری ضرورتوں کے لیے عنایت فرمائے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے پھر ایک دوسری تھیلی نکالی اور وہ بھی ہم لوگوں کو حوالے کی اور بتلا دیا کہ اس میں تین سو درہم ہیں۔ سو درہم کپڑوں کے لیے۔ سو درہم خرچ خانہ داری کے لیے اور سو درہم ایک دراز گوش کی خریداری کے لیے۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ حکم ہوتا ہے کہ میں تم

لوگوں کو کوہستان میں سفر کرنے کا مشورہ اور صلاح نہیں دونگا۔ بلکہ تم لوگ فلاں موضع میں چلے جاؤ۔ وہاں پہنچکر خدائے واہب العطایا تمہاری عسرت کو خوشحالی اور فراغت سے بہت جلد تبدیل فرما دے گا۔ انشاء اللہ المستعان

علی ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے حکم و ارشاد کے مطابق ہم لوگ اُسی مقام میں گئے۔ جہاں آپ نے بتلا دیا تھا وہاں پہنچکر ہم نے ایک عفیفہ سے نکاح کیا جس کی وجہ سے میری چار ہزار سالانہ آمدنی قائم ہو گئی اور میں آپ کی بشارت کے مطابق نہایت آسودگی اور فارغ البالی سے بسر کرنے لگا۔

(روضۃ الصفا جلد سوم)

علی ابن ابراہیم کا واقعہ جو حقیقت میں ہم خرما و ہم ثواب کی پوری مثال ہے۔ بیان کر گئے۔ ایک دوسرے شخص کی حالت ذیل میں کتاب لواعج الاحزان کی عبارت سے لکھتے ہیں۔

اسمٰعیل ابن محمد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں جانے کا قصد کیا۔ اس لیے آپ کے سرراہ جا کر بیٹھ رہا۔ اس خیال سے کہ آپ اُدھر سے تشریف لائیں تو میں اپنی عرض حاجت کروں۔ اس اثنا میں آپ اُدھر سے تشریف لائے میں نے آگے بڑھ کر خدمت عالیہ میں عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ میں قسم شرعیہ کھا کر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میرے پاس اس وقت ایک پیسہ بھی موجود نہیں ہے۔ جس سے میں اپنی گزران اوقات کا کوئی سامان کر سکوں۔

میرا یہ کلام سُنکر آپ نے فرمایا کہ کیوں جھوٹی قسم کھاتا ہے۔ کیا تو نے دو سو اشرفیاں زمین میں گاڑ کر نہیں چھپائی ہیں۔ اور پھر مجھ سے کہتا ہے کہ میرے پاس ایک پیسہ نہیں ہے۔ خیر میں نے یہ بات اس خیال سے نہیں کہی ہے کہ میں تجھے کچھ نہ دوں۔ یہ کہہ کر اپنے ہمراہی غلام سے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تیری تحویل میں اس وقت موجود ہے۔ وہ ان کو دیدے۔ چنانچہ اُس نے سو اشرفیاں فوراً میرے حوالے کر دیں۔

جب وہ روپیہ لے کر میں مضبوط کر کے باندھنے لگا تو پھر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ جس دفینہ کو تم نے اپنے جائز مصارف سے اپنی تنگدلی اور بخالت کے ذریعے اس دم تک بچا رکھا ہے۔ وہ یاد رکھو کہ تمہاری عین ضرورت کے وقت میں بھی تمہارے کام نہ آئے گا۔

اسمٰعیل کا بیان ہے۔ کہ میں نے روپیہ ملنے کی موجودہ خوشی میں اُس وقت آپ کے کلام ہدایت التیام کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کی اور اپنے مقام کو واپس آیا۔ اور آپ کی رقم عطیہ کو تھوڑا تھوڑا کر کے ایک عرصہ تک خرچ کرتا رہا۔ جب وہ تمام رقم صرف ہو چکی۔ اور پھر ایک حبہ پاس نہ رہا۔ اور ضروریات یومیہ پھر اسی طرح ستانے لگے۔ تو میں نے ہر طرف سے مجبور ہو کر آخرکار اُس مقام کو کھودا جہاں وہ رقم میں نے مدفون کی تھی۔ دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ غرضکہ جس طرح جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے اس رقم سے قطعی طور پر محروم رہنے کی پیشین گوئی فرمادی تھی ویسی ہی پوری اُتری میں نے ہرچند تلاش کیا۔ کہیں سراغ نہ لگا۔ اور اُس میں سے ایک حبہ نہ ملا۔ چند روز کے بعد مجھے تحقیق کے طور پر معلوم ہوا کہ میری لڑکی کو میرا یہ راز معلوم تھا۔ وہ اُسے لے کر چلی گئی۔ اور اس اتنی مدت میں اُس نے اُس رقم کو تمام و کمال صرف کر ڈالا۔ اور اب اُس میں

سے اُس کے پاس ایک کوڑی بھی باقی نہیں ہے غرض کہ اسمٰعیل کو وہ باتیں پیش آئیں جو جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام نے اُس سے ارشاد فرمائی تھیں غرضکہ جیسا زمانہ ویسے لوگ۔ مگر حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام نے ہر طرح اپنے ہادی ہونے کی پوری شان دکھلا دی۔ اسمٰعیل کے معاملے کا بھی خلاصہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ذاتی عظمت و جلالت

یہ تو ظاہر ہے کہ مخالفین نے آپ کے اوصاف مٹانے اور اُن کے اعزاز گھٹانے کے متعلق جیسی جیسی پرہیز کوششیں کی تھیں وہ تمام دنیا کو معلوم ہیں۔ دنیا میں عام سے عام لوگوں کے لیے بھی کچھ اعزاز کچھ امتیاز۔ ان کی حیثیت کے مطابق تھا۔ مگر ان حضرات ستودہ آیات کے لیئے۔ دُنیا میں کوئی اعتبار تھا اور نہ اقتدار۔ اگر غور کی زیادہ نظر سے دیکھا جائے تو معمولی سے معمولی اور ادنےٰ سے ادنےٰ لوگ بھی اپنے امور میں آزاد تھے۔ مگر یہ بزرگوار نہیں۔ فی عمر ہم سلطنت کے زیر حراست اور ہمیشہ نظر بند رکھے گئے۔ اور اس طرح ان کی قدر و عظمت کے مرتبے کو ذلت و رسوائی کی انتہا تک پہنچایا گیا۔

مگر چونکہ یہ تمام انسانی کوششیں تھیں اور نظام ربّانی ان سے خلاف واقع ہوا تھا اس لیے ان تمام کارروائیوں کا نتیجہ ہمیشہ برعکس ثابت ہوتا گیا۔ اور ذلّت و حقارت کے عوض میں آپ کے مراتب و مدارج کو ہمیشہ عروج و رفعت حاصل ہوتی گئی۔ ہم ان واقعات کی تصدیق و توثیق میں۔ اپنی موجودہ تالیف کے تمام نمبروں میں۔ تاریخ و سیر کے معتبر اور مستند شاہد برابر مندرج کرتے آئے ہیں۔ جن سے ہمارے مندرجہ بالا بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر ہم جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کے ان ذاتی اوصاف و محامد کے متعلق کتاب کافی کے

ترجمہ سے ذیل کا واقعہ قلمبند کرتے ہیں۔ جو ہمارے موجودہ مدّعا کو پوری طرح سے ثابت کرتا ہے۔

احمد ابن عبید اللہ ابن خاقان خلیفہ کی طرف سے شہر قم میں صیغہ اوقاف و صدقات کا افسر اعلےٰ تھا اور مذاق زمانہ کے مطابق اہلبیت جناب رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا جانی دشمن۔ ایکمرتبہ اُس کی صحبت میں سادات علوی کا ذکر نکلا۔ جو شہر قم میں کثرت سے آباد تھے۔ احمد ابن عبید اللہ نے بیان کیا کہ میں نے کوئی سیّد حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام سے زیادہ جلیل القدر اور عظیم المراتب بزرگ تمام سادات کی قوم و قبیلہ میں نہیں دیکھا۔ اس سلسلہ میں کوئی شخص مجھ کو اُن سے زیادہ علم و ورع۔ زہد و عبادت۔ وقار و مہابت۔ حیا و عفّت۔ شرف و عزّت اور قدر و منزلت میں مشہور و معروف نہیں معلوم ہوا خلفا امرا اور تمام سادات اور جمیع بنی ہاشم اپنے موجودہ بزرگوں پر آپ کو مقدّم رکھتے ہیں۔ اور جملہ صغیر و کبیر۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تعظیم و تکریم بجالاتے ہیں۔ اور اسی طرح امرا و وزرا اور تمام افسران جنگی و ملکی و مالی اُن کے اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔

ایک روز میں اپنے باپ کے پیچھے دیوانخانے میں کھڑا تھا۔ ناگاہ دربان اور خدمتگار دوڑتے آئے اور کہنے لگے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام دروازے پر کھڑے ہیں۔ میرے باپ نے حکم دیا کہ اندر تشریف لانے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک شخص گندم گوں۔ کشادہ چشم۔ خوش قامت۔ خوبصورت۔ خوش جمال با ہیبت و جلال داخل ہوا۔ جونہی میرے باپ کی نظر پڑی۔ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بکمال اعزاز و آداب اُن کا استقبال کیا۔ اس سے پہلے میں

نے اپنے باپ کو کبھی کسی شخص کی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ بخلاف اس کے اس جوان رعنا کے قریب پہنچکر میرے باپ نے اس کی تعظیم و تکریم کے علاوہ۔ اُن کے ہاتھ بھی چومے اور پیشانی مبارک بھی۔ اور ویسے ہی دست بدست لاکر اپنی مسند پر اپنے پہلو میں بٹھلایا۔ فیما بین مزاج پرسی کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ تو میں نے اثنائے کلام میں دیکھا کہ میرا باپ اپنے جواب و خطاب میں اُن کا نام نہیں لیتا۔ بلکہ نہایت آداب سے اُنکی کنیت سے اُن کو مخاطب کرتا ہے۔ اور اپنی اور اپنے ماں باپ کی جان (فُدِّيتَ بِأُمِّي وَأَبِي) اُن پر فدا کرتا ہے۔

میں ان باتوں کو سُن سُن کر اپنے دل میں سخت حیران اور پریشان تھا۔ اور سوچتا تھا۔ کہ ایسے وضع کے پابند شخص سے خلاف وضع اور مخالف شان امور کیسے سرزد ہوئے۔ میں ابھی اپنی اسی حیرت و تعجب کی موجودہ حالت میں غرق تھا کہ اتنے میں ایک غلام دوڑتا ہوا آیا۔ اور اُس نے اطلاع کی کہ خلیفہ عصر تشریف لا رہے ہیں۔

قاعدہ یہ تھا کہ جب خلیفہ میرے باپ کے پاس آتا تھا تو اُس کی آمد سے پہلے اُس کے چوبدار اور ملازمین و خدمتگار۔ دو طرفہ صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ تاآنکہ خلیفہ آتا بیٹھتا اور پھر واپس جاتا مگر اس وقت باوجود اطلاع اور آمد ملازمین شاہی۔ چونکہ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا میرا باپ اُسی طرح جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے باتیں کرتا رہا۔ اور خلیفہ کے آنے کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی یہاں تک کہ جلوس شاہی کا وہ حصہ جس میں مقدمے کے طور پر صرف امرا اور معتمدین شامل ہوتے ہیں میرے مکان کے احاطے میں داخل ہوگیا۔ اُس وقت میرے باپ نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ مصلحت وقت سمجھیں تو اپنی دولتسرا کی طرف تشریف لیجائیں۔

یہ کہہ کر میرے باپ نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ آپ کو اس طرح جلوس شاہی والوں سے علیحدہ کر نکال لیجائیں کہ اُن میں ایک کی نظر بھی آپ پر نہ پڑے یہ کہہ کر میرے باپ نے آپ کی پیشانی اور فرق مبارک پر بوسہ دیا اور وہاں سے رخصت کر دیا۔

اس مقام پر یہ نکتہ غور کے قابل ہے کہ تعظیم سادات اس وقت ایسا ہی بڑا اخلاقی جرم۔ مزاج شاہی کے ناگوار اور قطعی خلاف قرار پاچکا تھا جسکا اظہار کرنے والا سلطنت کا مجرم اور سخت گنہگار خیال کیا جاتا تھا۔ حالانکہ عبید اللہ ابن خاقان بہت بڑا معتمد اور آزاد امرا میں شمار کیا جاتا تھا۔ مگر وہ بھی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ اپنے رسم اتحاد کو خلیفہ پر ظاہر کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور باوجود اتنی تعظیم و تکریم کے جب خلیفہ کی آمد کا وقت آیا تو وہ آپ کی اُس تواضع اور مدارا کو چھپا دینے پر بالکل مجبور ہو گیا۔ اور آپ کو اپنی صحبت سے اس احتیاط اور رازداری کے ساتھ رخصت کیا۔ کہ آپ کے تشریف لانے اور واپس جانے کی خبر نہ خلیفہ کو ہوسکی اور نہ اُس کے کسی ہمراہی کو۔ اسی سے معتمد کی ذاتی مخاصمت اور قلبی مخالفت کا پورے طور پر اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے ملازمین۔ امرا اور متعلقین کے ساتھ آپ کی رسم و راہ اور آمد و رفت کو ایک سخت ناقابل برداشت جرم قرار دے چکا تھا۔

بہرحال۔ اتنا نوٹ کرنے کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے تشریف لیجانے کے بعد میرا باپ خلیفہ کے استقبال کو گیا۔ تو میں نے اپنے باپ کے ملازمین سے پوچھا کہ یہ جوان رعنا کون

تھا جس کی میرے باپ نے اس قدر تعظیم و تکریم کی۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ صاحب اکابر عرب سے ہیں۔ نام نامی ان کا جناب امام حسن عسکری علیہ السلام ہے۔ اور آپ ابن الرضا علیہ السلام کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ یہ سن کر مجھے زیادہ تر تعجب ہوا۔ اور اس روز تمام دن مجھے یہی حیرت اور فکر دامنگیر رہی۔

جب رات ہوئی تو میرا باپ حسب معمول نماز مغربین کے بعد کاغذات ممالک اور عرائض خلائق دیکھنے بیٹھا کہ صبح کو خلیفہ سے ان کے متعلق عرض و معروض کرتا ہے تھا۔ میں بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے میں نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرض خدمت کروں۔ جب اس نے اجازت دی تو میں نے پوچھا کہ وہ جوان عظیم الشان کون تھا۔ جس کی تعظیم و تکریم اس شان اور اہتمام سے کی گئی۔

یہ سن کر میرے باپ نے کہا۔ بیٹا وہ رافضیوں کا امام ہے۔ اتنا کہا اور اپنی گردن جھکا لی۔ اور تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر ساعت اپنا سر اٹھایا۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا بیٹا اگر خلافت بنی عباس سے نکل جائے تو سوائے اس جوان کے کوئی دوسرا خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ بسبب زہد و عبادت، فضل و علم کمال عفت، شرافت حسب و نسب۔ اور جمیع صفات کمالیہ سزاوار امارت اور شایان خلافت ہے اے فرزند اگر تم ان کے والد بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو دیکھتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ شرف و جلال اور علم و کمال میں کیسے بے مثال اور یکتائے روزگار تھے۔

احمد کا بیان ہے کہ باپ کے اس مقولہ سے مجھے ان حضرات علیہم السلام کی نسبت خلوص و عقیدت کی توفیق کیا ہوگی کہ مجھے اس کے کلام پر غصہ آیا کیونکہ عموماً روش زمانہ کے موافق مجھے ان حضرات علیہم السلام کے مدائح و ثنا برے معلوم ہوتے تھے اس لیے میں نے اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں کی مگر دل ہی دل میں اس کی اس بیجا تعریف اور نابیجا توصیف پر غصہ کرتا رہا۔ میں نے بعد اس کے ان حالات کی بذات خاص تحقیق شروع کر دی اور ادھر ادھر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ذاتی محاسن کا تفحص کرتا رہا۔ مگر امرا اور وزرا کے دائرے سے لے کر متوسلین اور فقرا کے معمولی طبقے تک ہر شخص کی زبان سے میں نے سوائے آپ کی تعریف و توصیف کے اور کچھ نہ سنا۔ غرضکہ جب میں اپنی تحقیقات کو ہر پہلو سے کامل کر چکا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ذاتی عظمت و جلالت میری نگاہوں میں قائم ہو گئی۔ اور میں نے ان کی رفعت و شان و منزلت پورے طور سے پہچان لی۔ اس وجہ سے کہ دوست اور دشمن سب ان کو بھلائی اور نیکی سے ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے۔

احمد کا سلسلہ بیان یہاں تک پہنچا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے حاضرین میں سے سوال کیا کہ ان کے برادر جعفر کی نسبت آپ کے کیا عقائد ہیں۔ احمد نے جواب دیا کہ جعفر کیا شے جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے ہمسری اور مساوات کا دعوے کرے۔ یا ان کا نام حضرت کے نام کے ساتھ لیا جائے۔ جعفر ایک مرد غیر محتاط۔ بے عقل اور وارستہ مزاج تھا۔ جس کا ثانی میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اس وقت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تمام زمانے کے لیے مایۂ افتخار اور شیعہ و سنی دونوں کے سردار ہیں اور اس وقت ان کی مثال

پیش کرنا قطعی محال ہے۔

سرعت فہم اور علمی فیصلے

ابو ہاشم جعفری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں جناب امام حسن عسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابو محمد جبفکی نے جس کے علم و فضل کا شہرہ تمام دیار و امصار میں نہایت وسعت سے مشہور تھا۔ حاضر خدمت ہو کر سوال کیا کہ عورتیں بیچاری جنکی خلقت خود کمزور ہے۔ تاہم اُن کو میراث میں ایک حصہ ملے۔ اور مرد باوجود قوی و توانا ہونے کے دو حصے پانے کا مستحق قرار پائے۔ آپ نے جواب میں فوراً ارشاد فرمایا کہ عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے اور نہ اُن پر فکر معیشت کا کوئی بار ڈالا گیا ہے۔ بلکہ نان و نفقہ اور جملہ ہیچ ضروریہ کی درستی اور فراہمی مردوں کے متعلق کی گئی ہے۔ اس لیے عدالت خداوندی کا یہ فیصلہ حقوق نسائیہ کے بارے میں سراپا عدالت اور سراسر انصاف ہے۔ یہ انسان کی کوتاہ فہمی اور عقل کی تنگی کا باعث ہے۔ جو اپنے قیاسات کی مغویانہ تحریک سے اُس کے نظام ربانی پر خُردہ گیریاں کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ "وکان الانسان قتورًا"

ابو ہاشم کا بیان ہے کہ آپ کا یہ ارشاد سُن کر مجھے خیال ہوا کہ ایک مرتبہ ابو العوجا نے بھی اسی طرح جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں یہی سوال پیش کیا تھا۔ میں چاہتا تھا۔ کہ آپ کی خدمت میں اپنے اس خیال کا اظہار کروں کہ آپ نے خود مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے ابو ہاشم مجھے وہ خود یاد ہے جسے تم مجھ سے کہنا چاہتے ہو۔ واقعی اسوقت بھی یہی سوال تھا۔ اور ہمارا جواب بھی یہی تھا ہم اہلبیت علیہم السلام کا جواب ایک ہی ہوتا ہے۔ اور ایک ہی کلام۔ ہمارا علم حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم سب یکساں ہے۔ مگر البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم سب سے زیادہ ہے۔

کسی نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے آیۂ وافی ہدایہ ذُرِّیَّۃً بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے نہایت متانت اور وضاحت سے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ ذریت عالیہ ہیں ہوں۔ حسن عسکری ابن علی علیہما السلام۔ علی النقی ابن محمد علیہما السلام محمد التقی ابن علی علیہما السلام۔ علی الرضا ابن موسےٰ علیہما السلام۔ موسےٰ بن جعفر علیہما السلام۔ جعفر ابن محمد علیہما السلام۔ محمد ابن علی علیہما السلام۔ علی ابن الحسین علیہما السلام۔ حسین ابن علی علیہما السلام۔ اور علی ابن ابی طالب علیہما السلام اور ان تمام بزرگواروں کے رأس الرئیس حضرت شفیع روز جزا سید الانبیاء جناب محمد مصطفےٰ خاتم النبیین سلام اللہ علیہ وابنائہ الاجمعین۔ بس یہی تفسیر اس آیۂ وافی ہدایہ کی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

ابھی اس کے ایسے کثرت سے مسائل اور مختلف استفتے ہمارے پیش نظر موجود ہیں۔ جن سے آپ کی جامعیت اور استعداد و قابلیت کے کامل ثبوت ملتے ہیں۔ مگر ہم اُن سب کو طوالت کا غیر ضروری باعث سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں۔ آپ کی جامعیت کے تامی ثبوت اور کامل تصدیق کے لیے تو قرآن مجید کی وہ تفسیر کافی ہے جو آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اور جو عرب سے لے کر ایران تک اور ایران سے تمام ممالک اسلامیہ مثل شام۔ مصر فلسطین۔ طرابلس۔ قاہرہ۔ برا اور ہندوستان کے علمائے فریقین کے ملاحظے اور رشاد سے میں آج سینکڑوں برس سے برابر آیا کی ہے۔ اور یہ حضرات اُس کے مختصر لیکن جامع اور مانع بیان کو غور سے دیکھ کر اور پڑھ کر آپ کے فضل و کمال

کا پورے طور سے اعتراف فرماتے ہیں۔

جن لوگوں نے اس تفسیر مقدس کے پورے حالات دیکھے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس تفسیر کی تالیف و ترتیب کسی خاص انتظام اور اہتمام سے نہیں فرمائی گئی تھی۔ بلکہ آیات قرآنیہ اور احکام ربانیہ کے متعلق آپ کے یہ وہ بیانات اور ارشادات تھے جو محض سرسری طور پر آپ نے اپنے ان دونوں شاگردوں سے تعلیم قرآن دینے کے وقت بیان فرمائے تھے جو شہر قم سے آپ کی خدمت میں تحصیل کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ اور ان دونوں سعادتمندان زمانہ کو ان کے خوش قسمت باپ نے گھر سے لا کر آپ کی خدمت میں چھوڑ دیا تھا۔ ان حالات کو معلوم کر کے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس تفسیر بے نظیر کی ترتیب و تدوین میں غور و فکر یا کسی خاص اہتمام سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ بلکہ عین درس کی حالت میں جو ارشادات آیات قرآنی کے متعلق بتلائے گئے۔ وہ ان دونوں سعادتمندوں نے آپ کے بعد ایک چھوٹی سی تفسیر کی صورت میں جمع کر دیئے۔ مگر ان کی ندرت مضامین اور سلاست بیان و لطف زبان ایسا ہی ہے کہ آج اس مختصر ترتیب نے بڑی بڑی ضخیم تفسیروں کو دھو دیا۔ تھوڑا عرصہ ہوتا ہے کہ اس مختصر مگر جامع اور نافع تفسیر کا ترجمہ ہماری اردو زبان میں لاہور سے شائع ہو گیا ہے جو ملک کے ہر گوشے میں شائع ہو رہا ہے۔

پیشین گوئیاں

حسن ابن ظریف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کروں کہ جب حضرت قائم آل محمد علیہ السلام خروج فرمائیں گے تو کس عنوان سے معاملات کا فیصلہ کریں گے اور یہ بھی پوچھوں کہ حمائے ربع کا کیا علاج ہے؟ ایک دن خاص اسی مطلب کے لئے خدمت اقدس میں عریضہ لکھا تو اس میں حمائے ربع کے علاج کا ذکر بھول گیا جواب میں ارشاد ہوا کہ جناب قائم علیہ السلام مثل حضرت داؤد علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے معاملات کا فیصلہ فرمائیں گے اُن کی شریعت باطنی ہوگی۔ کسی معاملے میں گواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کے بعد تحریر تھا کہ تم اپنا دوسرا مقصد بھول گئے ہو۔ جس شخص کو حمائے ربع لاحق ہو تو ایک کاغذ پر **یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم** لکھ کر اس کے گلے میں آویزاں کر دو۔ شفا ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

محمد ابن عیاش کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں بیٹھے تھے اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے معجزے و کرامات کا ذکر کر رہے تھے۔ اس صحبت میں ایک ناصبی بھی تھا۔ بول اٹھا کہ اچھا اب تم لوگوں کے امام کے جھٹلانے کے لیے میں کچھ مسائل بغیر سیاہی کے قلم سے لکھ کر پوچھتا ہوں اگر انہوں نے جواب دیا تو البتہ میں ان کو امام برحق سمجھوں گا نہیں تو نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کاغذ پر خالی قلم سے کچھ لکھا اور خدمت مبارک میں بھیجا۔ اور اپنے اس خط کو ہم لوگوں کے عریضوں کے درمیان میں رکھ دیا۔ وہاں سے ہمارے عریضوں کی پشت پر جواب لکھ کر آئے تو اس کے خالی کاغذ پر بھی اس کے مقصد کا جواب لکھا ہوا تھا۔ اور اس کی خصوصیت اور معرفت کے لیے اس کے کاغذ پر اس کا اور اس کے باپ کا نام بھی لکھا تھا۔ یہ دیکھتے ہی اس کو سکتے کا عالم ہو گیا جب افاقہ ہوا تو صدق دل سے اس نے مذہب حقہ اختیار کیا اللّٰھم صل علی محمد و آل محمد۔

تاریخ روضۃ الصفا میں تحریر ہے کہ ثقات سامرہ میں سے ایک شخص نے آپ سے مشکوٰۃ کے معنی پوچھے اور اپنی حاملہ بی بی کے بارے میں بھی کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر تحریر عریضہ کے وقت تقاضائے بشریت کی وجہ سے آخر مطلب کو لکھنا بھول گیا۔ آپ نے اس کے عریضے کے جواب میں لکھا کہ مشکوٰۃ سے مراد قلب

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ بی بی کی نسبت کچھ اور نہیں لکھا تھا۔ مگر آخر
عبارت خط مبارک میں عظم اللہ اجرک ا خلفک علیک مضامین
تعزیت تحریر تھے۔ میں ظہور قدرت کا منتظر تھا۔ تھوڑے عرصے کے
بعد میرے ہاں مُردہ لڑکا پیدا ہوا۔ مگر پھر میری بی بی حاملہ ہوئی
تو خدا کے فضل وکرم سے اب کی بار صحیح وسالم بچہ پیدا ہوا۔
اور وہ میرے بعد زندہ رہا۔ اسوقت سے مجھے
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی کلام
معجز التیام کی پوری
تصدیق
ہو گئی۔

فتمت بالخیر والعافیہ

الحمد للہ والمنت کہ بتاریخ دوازدہم ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۸ ہجری از تالیف وتسوید ایں کتاب مقدس فراغت ساختم وامروز بتاریخ بستم ربیع الاولے یوم چہارشنبہ سنہ ۱۳۲۹ ہجری برمکان حاجی سید علی رضا صاحب قبلہ کہ از وجہ مقیم بودم نقل کالاصل برداشتم۔ الٰہی بتوفیق رب مطہر جناب صاحب کتاب سلام اللہ سن رب الارباب مساعی ایں قلیل البضاعت رامقرون اجابت فرمودہ مقبول نظر ارباب بصیرت نماید بحق محمد وآلہ الامجد واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی رسولہ والہ المعصومین الی یوم الدین

آمین

کوآتھ ضلع آرہ
بستم ماہ ربیع الاولے یوم چہارشنبہ سنہ ۱۳۲۸ ہجری
روز عید نوروز
بارک اللہ لنا ولجمیع المومنین

مؤلف
احقر
سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
عفاہ اللہ الحامی

اُن عالموں اور اُنکی کتابوں کے نام جن سے اِس کتاب میں مضامین لئے گئے ہیں

عالموں کی کتاب	اُن کے نام
ینابیع المودۃ فی القربےٰ۔	امام قندوزی
صواعق محرقہ۔	ابن حجر
فصل الخطاب۔	خواجہ محمد پارسا
مناقب السادات۔	ملک العلماء دولت آبادی
تاریخ روضۃ الصفا	خاوندشاہ ہروی
تاریخ ابوالفدا	شاہ اسمٰعیل یمنی
جلاء العیون	مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ
لواعج الاحزان	مُلّا مہدی مدظلہ
الصافی شرح کافی	مُلّا خلیل قزوینی طاب ثراہ

سیّد اولاد حیدر بلگرامی عفاہ اللہ الحامی

جو لوگ سفر میں زیادہ رہتے ہیں یا جن لوگوں کو بڑے بڑے ضخیم اور وزنی قرآنوں میں تلاوت کرنا دشوار گزرتا ہے اُن کے لیے یہ حمائل شریف ضرور نعمت غیر مترقبہ ہے

جو نہایت اعلےٰ درجہ کے کاغذ پر نہایت خوشخط اور صاف کمال احتیاط اور صحت کے بلیغ اہتمام کے ساتھ مقبول پریس دہلی میں چھاپی گئی ہے متن میں کلام الٰہی کی تلاوت فرمائیے اور حاشیہ پر مقبول ترجمہ کا لطف اٹھائیے

اس حمائل میں صرف ترجمہ ہے حواشی تفسیری وغیرہ بصورت کتاب جداگانہ چھاپے جائینگے جنکا ہدیہ علیحدہ مقرر ہوگا۔ یہ حمائل شریف بلحاظ کاغذ تین قسموں پر مشتمل ہے ہدیہ ہر قسم کا حسب ذیل ہے

قسم اول کاغذ اعلیٰ درجہ کا رنگین ۶ؔ قسم دوم۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا سفید للعہ قسم سوم۔ کاغذ رہی سفید ۔ سے

المشتہر سید امین الدولہ مالک مقبول پریس۔ گنڈہ نالہ۔ دہلی

تفسیر مقبول

(حسبِ ارشاد اہلبیتِ رسولؐ)

یوں تو دنیا میں بے شمار تفسیریں ہیں اور ہمہ شما تفسیر لکھنے پر کمر بستہ نظر آتے ہیں لیکن قرآن جیسے مکمل و مدقق کلام الٰہی جسکا دعوےٰ ہی کہ تمام دنیا کے رطب و یابس اس میں موجود ہیں) کے سمجھنے اور تفسیر بیان کرنے کے کچھ وہی حضرات اہل ہو سکتے ہیں جنکے گھر میں قرآن نازل ہوا ہو اور منجانب اللہ اُسکے نقطہ نقطہ کے نکتہ نکتہ سے حقیقی طور پر آگاہ و باخبر کیے جا چکے ہوں۔ چنانچہ ہم اُنہی حضرات یعنی ائمۂ اہلبیتؑ کے تفسیری ارشادات کو ضمیمۂ **مقبول** کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں پیش کرتے ہیں ان ارشادات تفسیری کو دیکھنا ہر مومن کا فرض ہے کیونکہ معرکۃ الآرا مسائل کی تشریح مطابق فرمان رسولؐ و آل رسولؐ درج کیگئی ہے۔ یہ نایاب کتاب بڑی خوشنما کتابی تقطیع پر نہایت خوشخط چھپی ہے اگر آپ بھی اس سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو فوراً فرمائش لکھیے۔